ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
۳۰ جنوری ۹۶ء

☆ کراچی میں دہشت گردی کے نام پر نوجوانوں کا قتل، لمحہ فکریہ
☆ خرد کی نامسلمانی سے فریاد : وزیر اعظم کے نام ایک مکتوب مفتوح
☆ ہالوکاسٹ---- حقیقت یا فسانہ : پس منظر

حدیث امروز

جنرل (ر) محمد حسین انصاری

دو ملّاؤں میں مرغی حرام

انسان شروع ہی سے اپنے سے کمزور ہر شے کا استحصال کرتا چلا آیا ہے۔ چونکہ دور جدید میں انسانی جسم کی حیوانیت روح کی کیفیات شرف پر غالب ہے لہٰذا استحصالی انداز نے بھی شدت اختیار کر لی ہے۔ جاندار ہو یا بے جان 'انسان ہو یا جانور' روحانیت سے عاری انسان نے ان سب کا انتہائی ظلم کی حد تک استحصال کرنے کی راہ اپنائی ہے۔ مصنوعی کھاد کے ذریعے زمین سے زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے کی سرتوڑ کوشش ہے خواہ زمین وقت سے پہلے ہی اپنا قدرتی جوہر کیوں نہ کھو بیٹھے۔ مصنوعی روشنی کے ذریعے چوبیس گھنٹوں کے دوران چھ چھ گھنٹوں کے دو دن اور چھ چھ گھنٹوں کی دو راتیں دکھا کر بیچاری مرغیوں سے چوبیس گھنٹوں میں ایک انڈے کی بجائے دو انڈے حاصل کئے جاتے ہیں خواہ ان کی طبعی عمر ہی کم کیوں نہ ہو جائے۔ اسی طرح جدید طریقوں کے ذریعے انسان انسان کا استحصال کر رہا ہے۔ جنسی تسکین کی خاطر مانع حمل کی نئی سے نئی دوائیں ایجاد کی جا رہی ہیں خواہ بالآخر عورت بانجھ ہی کیوں نہ ہو جائے۔ اسی طرح سیاسی میدان میں بھی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت استحصال جاری ہے۔ اس کا ایک انداز تو جاگیردارانہ سوچ ہے جو زندگی کے تمام شعبوں میں سرایت کر چکی ہے۔ ہر وہ شخص جسے دوسروں کی نسبت بہتر مقام نصیب ہو' خواہ وہ مقام اس کا خود حاصل کردہ ہو یا کسی کا دیا ہو' اسے اپنی جاگیر تصور کرتا ہے اور اسے قائم رکھنے کے لئے دوسروں کو اپنی محتاجی کا احساس دلا کر ان کا استحصال کرنا اپنا حق قرار دیتا ہے۔ حتیٰ کہ جو شخص کسی محکمے میں فائلوں کی حفاظت پر مامور ہے اس نے اسے اپنی جاگیر بنا رکھا ہے اور رشوت لئے بغیر کسی کی فائل جائز کام کے لئے بھی نکال کر نہیں دیتا۔ محلے کی مسجد' کمیٹی کی جاگیر تصور ہوتی ہے' وہاں کسی غیر مسلک کو عبادت کے لئے بھی داخل ہونے کی اجازت نہیں ملتی۔ خیراتی ہسپتال کا ڈاکٹر انتہائی بے رخی سے پیش آتا ہے تاکہ مریض اس کے پرائیویٹ کلینک میں پہنچے جہاں وہ فیس لے کر توجہ سے دیکھ سکے۔ تعلیمی ادارے میں استاد توجہ سے نہیں پڑھاتا تاکہ شاگرد اس سے خطیر رقم کے عوض ٹیوشن لیں۔ اسی طرح سیاستدان اپنے سیاسی مرتبے کے ذریعے لوگوں کا استحصال کرتا ہے۔ انہی خطوط پر حاکم ملکی امانت کو اپنی جاگیر سمجھ کر جسے چاہے اور جتنا چاہے نوازدے اور جسے چاہے محروم کر دیتا ہے۔ عوام الناس کا ایسا ہی حشر ملک کی دو بڑی سیاسی پارٹیوں نے کیا۔ دونوں پارٹیوں کے بڑے اپنا بھلا تو ہر قیمت پر کرتے رہے مگر غریب بے چارہ پستا ہی چلا گیا۔ اپنے اپنے دور اقتدار میں بھی یہ پارٹیاں اپنے غریب عوام کے لئے کچھ نہ کر سکیں۔ البتہ درمیان کے آڑھتیوں نے خوب مزے لوٹے۔ عوام کی اس بے چارگی اور بے بسی کے عالم میں جب ملی یکجہتی کونسل کا مژدہ سنائی دیا تو ملک کی خاموش اکثریت نے سکھ کا سانس لیا کہ امید کی کرن نظر آنے لگی۔ تمام دینی جماعتوں کے اکابرین ایک ہی صف میں بیٹھے دکھائی دیئے تو لوگوں کے چہروں پر مسرت بھری مسکراہٹ کھل گئی۔ یوں محسوس ہوا کہ دکھوں کا مداوا ہو پائے گا۔ سیاسی منظر پر تیسری قوت کے ابھر آنے سے جاگیردارانہ عیاری بے وقعت ہو جائے گی' موروثی سیاستدانوں کا بھاؤ گر جائے گا' اور عوام شاید اس کلب کا اب رخ کرنا چھوڑ دیں جس کی دونوں بڑی سیاسی پارٹیاں ممبر ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایک نے اپنے کمرے کا رنگ سبز کر رکھا ہے اور دوسری نے سرخ' ورنہ کرتوت دونوں کے ایک جیسے ہیں۔ دین سے شغف رکھنے والے لوگوں پر مشتمل گروپ کی تشکیل پانے سے ملکی سیاست صحت مند اثر پڑنے کی توقع پیدا ہوئی تھی لیکن جلد ہی یہ امیدیں ٹوٹنے لگیں۔ سپاہ صحابہ اور سپاہ محمد کی علیحدگی سے ملی یکجہتی کونسل ابھی سنبھل نہ پائی تھی کہ جمعیت اہل حدیث کے علامہ قاضی عبدالقدیر خاموش کی صدارت تلے اسلامی یکجہتی کونسل کے نام سے الگ پارٹی قائم ہونے کا اعلان ہوا۔ یہی نہیں' پیر خواجہ حمید الدین سیالوی کی قیادت میں اب متحدہ جمعیت مشائخ بھی قائم ہو چکی ہے۔ کس کا موقف کس سے بہتر ہے یہ ہماری بحث کا حصہ نہیں۔ اس کا فیصلہ خود علماء کرام سے بہتر کون کر سکتا ہے۔ البتہ عوام الناس یہ کہنے پہ حق بجانب ہیں کہ صدیوں پرانی کہاوت تو دو ملاؤں کے بارے میں تھی' اب دیکھیں کہ بہت سے علمائے دین اس کا کیا حشر کرتے ہیں۔ بس اتنی گزارش ہے کہ متلاشیان حق تو اپنے پیروکاروں کا استحصال نہ کریں۔ ○○

قیمت : ۸ روپے

الہدیٰ

ترجمانی : حافظ عاکف سعید

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نہیں پہنچتی کوئی تکلیف مگر اللہ کے اذن سے' اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہو اللہ اس کے دل کو ہدایت بخشتا ہے اور اللہ کو ہر چیز کا علم ہےo

(اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے بغیر اذن رب نہیں ہو رہا اور ہو بھی کیسے سکتا ہے جب وہ رب کائنات "علی کل شیء قدیر" بھی ہے اور "بکل شیء علیم" بھی۔ لہٰذا یہ ممکن ہی نہیں کہ اس کی مشیت کے خلاف کوئی پتا بھی جنبش کھا جائے' تو اہل ایمان کے لئے کس قدر باعث تسلی و اطمینان ہے یہ بات کہ جو ہوا اذن رب سے ہوا اور جو آئندہ ہو گا وہ بھی بغیر اذن رب نہ ہو گا اور ہمارا رب ہمارے حق میں جو فیصلہ صادر فرما دے سر تسلیم خم ہے کہ ہمیں یقین ہے کہ ہمارے رب سے بڑھ کر ہمارا خیر خواہ کوئی نہیں۔ یہی دل کی ہدایت ہے' یہی وہ کیفیت ہے جسے "لاخوف علیھم ولاھم یحزنون" سے تعبیر کیا گیا اور یہی ہے مقام تسلیم و رضا!)

اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی' لیکن اگر تم اطاعت سے منہ موڑتے ہو تو ہمارے رسولؐ پر صاف صاف پہنچا دینے کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں ہےo

(جب اللہ کو اپنا رب اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا ہادی و رہنما تسلیم کر لیا تو اب ان دونوں کی اطاعت سے گریز کیسا! اطاعت تو ایمان کے لازمی مقتضیات میں سے ہے۔ اور ہاں اگر اطاعت سے گریز کی روش برقرار رہی تو جان لو کہ زبانی کلامی محبت رسولؐ کے دعوے کسی کام نہ آئیں گے بلکہ اندیشہ تو یہ ہے کہ روز قیامت ایسے لوگوں کو رسول ﷺ کی امت میں شمار ہی نہ کیا جائے)

اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں' لہٰذا ایمان لانے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئےo

(لائق عبادت ہستی تو صرف ایک ہی ہے' وہی مسبب الاسباب ہے' وہی کارساز ہے اور وہی مشکل کشا ہے' تو سیدھی سی بات ہے کہ توکل اور بھروسہ بھی اسی کی ذات پر ہونا چاہئے۔ یہ کیا معاملہ ہے کہ ایمان اللہ پر ہو اور بھروسہ و اعتماد غیر اللہ پر ہو۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے)

(سورۃ التغابن' آیات ۱۱ تا ۱۳)

جوامع الکلم

جس نے ماہ رمضان میں ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ روزے رکھے' اس کے تمام پچھلے گناہ بخش دیئے گئے اور جس نے رمضان کی راتوں میں قیام اللیل کا اہتمام کیا اس کی بھی تمام گزشتہ خطائیں بخش دی گئیں

(کہ یہ ماہ مبارک دراصل نیکی کا موسم بہار ہے' لیکن اس کی برکتوں سے سعادتوں سے وہی حصہ پا سکیں گے' جو ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ پورے ماہ دن میں روزے اور رات کے قیام یعنی تراویح اور نوافل میں قرآن پڑھنے اور سننے کا اہتمام کریں گے)

(الحدیث)

تاخلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لاکہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور

بانی مدیر : اقتدار احمد مرحوم

جلد ۵ شمارہ ۵
۳۰ جنوری ۱۹۹۶ء

3

مدیر : حافظ عاکف سعید
معاون مدیر : نثار احمد ملک

یکے از مطبوعات
تحریک خلافت پاکستان
۴ ۔ اے ' مزنگ روڈ ' لاہور

مقام اشاعت
۳۶۔ کے ' ماڈل ٹاؤن ' لاہور
فون : ۳۔۵۸۶۹۵۰۱

پبلشر : محمد سعید اسعد طابع : رشید احمد چودھری
مطبع : مکتبہ جدید پریس ' ریلوے روڈ لاہور

قیمت فی پرچہ : ۸ روپے
سالانہ زر تعاون (اندرون پاکستان) ۱۵۰ روپے

زر تعاون برائے بیرون پاکستان
☆ ترکی 'اومان' مصر ۱۳/۱ امریکی ڈالر
☆ سعودی عرب 'کویت' بحرین' قطر' عرب امارات' بھارت' بنگلہ دیش' یورپ' جاپان ۲۰ امریکی ڈالر
☆ امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا' نیوزی لینڈ ۲۶ امریکی ڈالر

ایڈیٹر کے ڈیسک سے!

کس کا اسلام ؟

پاکستان کے حوالے سے یہ سوال بار بار سامنے آتا رہتا ہے کہ جناب! کس کا اسلام آپ یہاں لانا چاہتے ہیں؟ مختلف مذہبی گروہ ایک دوسرے کو گمراہ ہی نہیں' بعض تو ایک دوسرے کو باقاعدہ کافر قرار دے چکے ہیں اور آپس میں جنگ چھیڑ رکھی ہے۔ اگرچہ یہ بات اپنی جگہ ہے کہ چونکہ ہمارے ہاں کا حکمران طبقہ اپنے گھٹیا مفادات کو دوام دینے کے لئے یہ نہیں چاہتا کہ اسلام کی اصل حقیقت لوگوں پر آشکارا ہو لہٰذا بعض دانشور قسم کے لوگ اپنا فرض منصبی سمجھتے ہوئے یہ تاثر پھیلانے میں مصروف رہتے ہیں کہ اگر یہاں اسلام لانے کی کوشش کی گئی تو مسلمان ہمیشہ آپس میں لڑتے مرتے رہیں گے جس کے نتیجے میں ملکی ترقی اور نظم و نسق ٹھپ ہو کر رہ جائیں گے۔ لیکن بظاہر ایسے مخلص اور اسلام پسند حضرات کی بھی کمی نہیں جو بجا طور پر یہ جاننا چاہتے ہیں کہ یہاں اگر اسلام لایا گیا تو اس سے کیا مراد ہو گا؟ ایسے حضرات کی خدمت میں سب سے پہلے تو یہ عرض ہے کہ ایک مسلمان کے پاس یہ اختیار تو سرے سے ہے ہی نہیں کہ وہ چاہے تو اسلام کا نظام قبول کرلے اور اگر حالات ایسے ہوں کہ اسلام خطرے کا باعث بن سکتا ہو تو دوسرا کوئی موزوں نظام قبول کرلے۔ مسلمان ہونے کا سیدھا سادہ مطلب ہے کہ سوائے اسلام کے کسی دوسرے نظام کو قبول نہ کرے خواہ جان ہی کیوں نہ چلی جائے' بلکہ اسلام کے قیام کے لئے مقدور بھر پوری زندگی کوشش کرتا رہے کیونکہ اسلام کے سوا ہر نظام باطل ہے مگر مسئلہ تو پھر وہی ہوا کہ کون سا اسلام؟ اصل میں یہ بھی اپنے آپ کو دھوکہ دینے والی بات ہے کہ آدمی یہ کہہ کر مطمئن ہو جائے کہ چونکہ دینی راہنما خود ہی کسی ایک اسلام پر متفق نہیں ہیں لہٰذا میں کیا کر سکتا ہوں۔

مگر سوال یہ ہے کہ کیا ہر مسلمان کے لئے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ دین کا حقیقی فہم حاصل کرے۔ خاص کر پڑھے لکھے حضرات کے پاس اسلام کو نہ سمجھنے کا کیا جواز ہے۔ اسلام میں کسی مخصوص مذہبی طبقے کا کوئی تصور نہیں' اس لئے کہ اسلام مذہب نہیں' دین ہے یعنی معاشرت' معیشت اور سیاست اسلام کے جزو لازم ہیں۔ جس طرح کسی سیکولر ریاست میں ہر شہری برابر کے حقوق و فرائض کا حامل ہوتا ہے اسی طرح اسلام یا بالفاظ دیگر اسلامی ریاست میں ہر مسلمان برابر کا شہری ہے۔ (جب ہم کہتے ہیں کہ معاشرت' معیشت اور سیاست اسلام کے جزو لازم ہیں تو اسلام کا مطلب اسلامی ریاست ہی ہو سکتا ہے)۔ نیز اسلام میں جس طرح پاپائیت یا ملائیت کا کوئی تصور نہیں' اسی طرح اسلام میں نسلی یا پیدائشی مسلمان کا بھی کوئی تصور نہیں۔ ایک اسلامی ریاست جو قوانین و ضوابط مرتب کرتی ہے' انہیں تسلیم کرنے اور ان پر عمل پیرا ہونے والا ہر شخص قانوناً مسلمان ہو گا (یہ طے کرنا اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ بنیادی اساسات کیا ہیں جن کا اقرار کرنے سے کوئی غیر مسلم مسلمان ہو جائے گا اور انکار کرنے سے کوئی مسلمان غیر مسلم قرار پائے گا)۔

دوسری بات یہ ہے کہ مروجہ سیکولر نظام کو جب ہم اس بنا پر رد نہیں کرتے کہ اسے ماننے والی ہماری ہاں کی سیاسی جماعتیں ایک دوسرے کو غدار اور ملک دشمن کہتے نہیں تھکتیں اور کسی نہ کسی سیاسی جماعت کے ساتھ عملاً منسلک رہتے ہیں تو مذہبی جماعتوں کے اختلافات کو جواز بنا کر اسلام سے کنارہ کشی کی ہمارے پاس کیا اخلاقی اور عقلی دلیل ہے۔ جس طرح ملک میں موجودہ نظام کے تحت برے بھلے مختلف ادارے اپنا اپنا کام انجام دے رہے ہیں' اسی طرح اسلامی نظام کے تحت بھی انجام دیتے رہیں گے۔ دستور میں طے کردیں کہ قرآن و سنت کے منافی کوئی قانون سازی نہیں ہو گی اور اعلیٰ عدالتوں کو یہ اختیار حاصل ہو کہ وہ قرآن و سنت کے منافی کسی بھی قانون کو رد کرسکیں تو آپ عدالتوں میں جائیں اور ثابت کریں کہ فلاں قانون قرآن و سنت کے خلاف منظور ہوا ہے' اسلامی ریاست کے تقاضے پورے ہو جائیں گے۔

یہاں یہ عرض کردینا بھی مناسبت ہے کہ ایک مثالی اسلامی ریاست دیگر شے ہے۔ اس کے لوازمات اور ہوں گے۔ اس کے لئے معتدبہ تعداد میں ایسے لوگ ہونے چاہئیں جن کے پیش نظر دنیاوی مفادات سے زیادہ رضائے الٰہی کا حصول اور اپنی نجات اخروی ہو اور وہ اسلام کی خاطر ہمہ وقت اپنا تن' من اور دھن قربان کرنے کے لئے تیار ہوں۔ یہ سمجھنا کہ اسلامی ریاست کا مطلب مذہبی طبقے کی حکومت علماء کے ذریعے قانون سازی یا علماء کا قاضی مقرر کیا جانا ہے' درست نہیں۔ ممکن ہے اس پر یہ اعتراض وارد ہو کہ یہ سب کچھ جوں کا توں برقرار رکھ کر صرف دستور میں قرآن و سنت کی بالادستی کا اہتمام کرنے سے عملاً کون سی مثبت تبدیلی واقع ہو جائے گی۔ درست ہے کہ کوئی فوری تبدیلی رونما نہیں ہو گی لیکن تبدیلی کے لئے راہ بہرحال ہموار ہو جائے گی اور اجتماعی سطح پر ہماری دینی ذمہ داری بھی یہی ہے۔ اس سے آگے افراد کا معاملہ ہے اور اس کا حساب کتاب آخرت میں ہو گا۔ خلافت راشدہ کے بعد کتنی اسلامی ریاستیں ایسی ہوں گی جنہیں مثالی قرار دیا جاسکتا ہے لیکن انہیں کافر حکومتیں بھی نہیں کہہ سکتے جبکہ پاکستان کا معاملہ ہر لحاظ سے انوکھا ہے۔ ہمارا آئین بنیادی طور پر سیکولر آئین ہے لیکن اس میں قرارداد مقاصد بھی داخل ہے۔ ایک طرف محدود اختیارات کی حامل وفاقی شرعی عدالت ہے اور اس کے مقابل اعلیٰ ترین ملکی عدالت بھی ہے' حدود بھی نافذ ہیں اور سود بھی رائج ہے۔ اسلام کے ساتھ ہمارا یہ طرز عمل کفر اور شرک سے بدتر ہے۔

(باقی صفحہ ۱۶ پر)

خرد کی نامسلمانی سے فریاد :

وزیر اعظم پاکستان کے نام بھولی بسری تہذیب کے ایک فرد کا مکتوب مفتوح

محترمہ! آپ کو کس نے بتادیا کہ فحاشی و عریانی کو کلچر کہا جاتا ہے

کلچر ناچ گانوں سے نہیں، لائبریریوں اور لیبارٹریوں سے وجود میں آتا ہے

علامہ سید غلام شبیر بخاری مدظلہ

۱۔ محترمہ! معلموں میں ایک طبقہ ایسا ہے جس کے شاگردوں میں ملک کی ہر سیاسی جماعت کے افراد شامل ہیں اور وہ ملکی استحکام و سالمیت میں تو غیر متزلزل یقین رکھتا ہے لیکن آنے جانے والی سیاسی پارٹیوں کا حلقہ بگوش نہیں ہے۔ میرا تعلق بھی اسی طبقے سے ہے۔

۲۔ جب محکمہ تعلیمات میں ڈویژنل سطح اور صوبائی سطح پر مجھے کچھ ذمہ داریاں تفویض کی گئی تھیں تو وہ آپ کے پدر گرامی کا دور بھی تھا۔ میں نے ان کی کھلی کچہریوں میں بھی شرکت کی اور ان کے بعض مفید کاموں کی برملا تعریف کی مثلاً کلاس چہارم ملازمین کے لئے تاعمر پنشن اور طالب علموں کے لئے کرایوں کی رعایت وغیرہ اور میرے بعض مشوروں کو انہوں نے پسند کیا۔

۳۔ بھٹو مرحوم جس غیر معمولی عوامی رابطے سے عوام سے بہت قریب تھے افسوس ہے عورت ہونے کے ناطے سے آپ اس سے محروم ہیں اور حضرت ابوبکرؓ کی روایت میں جو دو طبقوں کا نزاع تھا اس صورت حالات سے میں بڑا واضح ہو گیا ہے۔

انگلستان اور امریکہ میں جہاں جہاں آپ نے تعلیم پائی ہے کچھ استاد مجھے بھی ملے وہ آپ کی ذہانت کی بڑی تعریف کرتے تھے اور آپ کے بین الاقوامی سطح پر مکالمے اور تقاریر اس کی تائید کرتی ہیں۔

۴۔ آپ کے مخالفین نے آپ کی جس کمزوری کو بڑا اچھالا وہ مبینہ طور پر آپ کی مغربی تہذیب و ثقافت سے غیر معمولی وابستگی ہے جس سے مشرقی اقدار حیات کو ناقابل تلافی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ میں یورپ اور امریکہ کے کچھ ادارے دیکھ کر آیا ہوں بلاشبہ یورپین اور امریکی معاشرے کے مبادیات ثقافت ہم سے بڑے مختلف ہیں۔ میرا ایک بیٹا اور اس کے بچے لندن میں ہیں۔ میری ایک بیٹی اور اس کے بچے وینی پیگ (کینیڈا) میں ہیں۔ مجھے تعجب ہوا کہ پاکستانی مسلمان جہاں جہاں بھی گئے ہیں انہوں نے مشرقی اقدار ترک نہیں کی ہیں۔ کینیڈا میں سکھوں کے محلے میں جایئے انہوں نے اور بھارتی ہندوؤں نے بھی انگریزی اور امریکی ثقافت کو من و عن قبول نہیں کیا۔ مجھے تو انگریزوں اور امریکیوں میں بھی ایک اہم تعداد ان خواتین کی ملی جو ٹیلی ویژن کی غیر اخلاقی روش پر مشرقی اقدار کو ترجیح دیتی ہیں مثلاً میری وائٹ ہاؤس جو میکس کالفیلڈ کی کتاب میری وائٹ ہاؤس کی رو سے

"مجھے تعجب ہوا کہ پاکستانی مسلمان جہاں جہاں بھی گئے ہیں انہوں نے مشرقی اقدار ترک نہیں کی ہیں۔ کینیڈا میں سکھوں کے محلے میں جایئے انہوں نے اور بھارتی ہندوؤں نے بھی انگریزی اور امریکی ثقافت کو من و عن قبول نہیں کیا"

Articulate voice of the silent majority raised in vretest protest ponography

ہیں۔ اور جنہیں

"A thorun in the flesh of BBC"

کہا جاتا ہے۔ اسی طرح Verginia water went worth کی مشہور نامہ نگار جینٹ کڈ (Jenett Kid) جو پاکیزگی فکر کے لئے بڑا جہاد کر رہی ہیں۔

۵۔ میں کبھی کبھار ٹیلی ویژن کا پروگرام دیکھ لیتا ہوں، مجھے ذہنی اور روحانی کرب ہے کہ گزشتہ دو تین ماہ میں پاکستان ٹیلی ویژن پر میں نے ننگے جسموں اور ننگی زبانوں کا جس پست سطح پر مظاہرہ دیکھا ہے اپنی ۷۷ سالہ زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وزیر اطلاعات جناب خالد کھرل کا ارشاد بجا ہے کہ جو چیز ناپسند ہے نہ دیکھو۔ لیکن پسند نہ پسند کا وہ معیار جو آپ کی حکومت کے ٹیلی ویژن کا ہے اسے جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کے دستور کا پابند ہونا چاہئے اور آپ نے اس دستور کے احترام کا حلف اٹھایا ہے۔ اس میں تو قرآن و سنت کا حوالہ ہے۔ جسے ہمارے معاندین (امریکی اور یورپین) "فنڈامنٹلزم" کا سمبل بنا کر دستور سے خارج کروانے کے درپے ہیں (جس طرح مصر میں ہوا۔ جس طرح ترکی میں ہوا) اور خدانہ کرے کہ یہ کام پاکستان میں آپ کے ہاتھوں سرانجام پائے)

۶۔ عالمی ادبی کانفرنس کے میزبان فخر زمان، انہوں نے کلچر کی ایک تعبیر کی ہے جسے محترمہ رعنا شیخ نے ٹیلی ویژن کی ڈائریکٹر جنرل کے طور پر عام کرنے کے لئے کمر ہمت باندھ لی ہے۔ بی بی سی کے لندن میں حالیہ سیمینار میں ٹیلی ویژن کی خوبصورتی یہ قرار دی گئی ہے کہ انٹرٹینمنٹ اور انلائٹمنٹ میں توازن برقرار رکھا جائے اور "مقاربات گناہ" ہی تفریح کا باعث نہ رہیں اس سے دو خرابیاں جنم لیتی ہیں۔

(۱) جنسی تحریکات عام ہونے سے تولد و تناسل کا

نظام فیملی کو متاثر کرنے لگ جاتا ہے۔

(۲) جرائم جنسی میں ۸۰ فیصد اضافہ ہوا ہے اور احساس محرومی کے نتیجے میں "گینگ ریپ" کی کثرت ہو گئی ہے۔ برازیل کی ایک مثال دی گئی جہاں ایک گورے رنگ کی لڑکی سے ۲۸ مردوں نے منہ کالا کیا اور ایک نے تو برملا کہا کہ جو کچھ ہمیں ٹیلی ویژن پر دکھایا جاتا ہے' ہمارے گھروں کی عورتوں کا معیار اس سے بہت پست ہے۔ جہاں آئیڈیل مل جاتا ہے ہم دل بہلا لیتے ہیں۔ یہ سارا کیا دھرا ملکی ٹیلی ویژن سروس کا ہے۔ ہم سے پہلے انہیں سزا دیجئے۔

۷۔ ٹیلی ویژن کی حالیہ تقریبات میں ایک عجیب صورت حالات نظر سے گزری۔ ایک باوقار خاتون نے کالی قمیص پہن رکھی تھی اور میانوالی کے نیازی خاندان کا چشم و چراغ ایک نوجوان عیسیٰ خیلوی' ایک ایسا گیت سنا رہا تھا (اور عورتیں اور مرد سر دھن رہے تھے) جس کا مفہوم کچھ یوں تھا کہ اے کالی قمیص پہننے والی محبوبہ میرا جی چاہتا ہے کہ تجھے (اٹھا کر؟ اغوا کر کے؟) میانوالی (اپنے حجلہ عشرت کو سجانے کے لئے؟) لے جاؤں۔ مشتاق نگاہیں اس خاتون کی طرف اٹھ رہی تھیں اور یہ پروگرام بڑا ہی پسندیدہ پروگرام سمجھا گیا۔ میں ابھی ابھی گرلز کالج کی امتحان گاہ سے آ رہا ہوں۔ کچھ ایف اے کی طالبات امتحان گاہ سے باہر آئیں اور ان میں سے دو بچیوں نے کالی قمیص پہن رکھی تھیں اور کالج کے آس پاس کھڑے ہوئے "عیسیٰ خیلوں" نے انہیں اسی دھن میں چھیڑنا شروع کر دیا۔

یہ اس ٹیلی ویژن کے ثقافتی شو کا دوسرا پہلو تھا' محترمہ وزیر اعظم جو ادبیات عالیہ کے میزبان فخر زمان اور محترمہ رعنا شیخ کے حسن اہتمام میں سب کی افتاد طبع کے مطابق برپا ہوا۔

ہماری پرنسپل ان "معصوم" بچیوں کو "غنڈوں" سے کس طرح بچائے۔ ہماری پولیس ان عیسیٰ خیلوی کے خلاف کیا ایکشن لے! یہ تو کلچرل شو ہے' یہ تو ایک "عالمی فنکار" کی آواز کی مسکار ہے جس پر پوری قوم کو رقص کرنا چاہئے' تاکہ ان نوجوان بچیوں کے لئے چادر اور چار دیواری کا کوئی تقدس باقی نہ رہے اور سب اپنے والدین کی مرضی کے خلاف اپنے ٹیلنٹ کو ترقی دیں اور کلچرل کا بول بالا ہو۔

۸۔ محترمہ وزیر اعظم! میری حیات مستعار کے کچھ دن علی گڑھ میں بھی گزرے۔ دو مرتبہ انگلستان' جرمنی اور کینیڈا کے معروف سکالرز سے بھی ملا اور کلچر یا ثقافت کا بطور ایک معمولی طالبعلم کے مطالعہ کیا۔ گورنگ اور گرین تک کو میری اس رائے سے اتفاق ہے کہ (i)

"Cultural is the cream of human behaviour"

(ii) انہیں میتھیو آرنلڈ (1888-1822ء) کے اس نظریئے سے سو فیصد اتفاق ہے کہ

Culture is the best which has been known said

گویا کلچر انسانی علوم اور ان کے اظہارات کی سب سے اونچی سطح ہے۔

"ہماری پرنسپل ان "معصوم" بچیوں کو "غنڈوں" سے کس طرح بچائے۔ ہماری پولیس ان عیسیٰ خیلوی کے خلاف کیا ایکشن لے! یہ تو کلچرل شو ہے' یہ تو ایک "عالمی فنکار" کی آواز کی مسکار ہے جس پر پوری قوم کو رقص کرنا چاہئے' تاکہ ان نوجوان بچیوں کے لئے چادر اور چار دیواری کا کوئی تقدس باقی نہ رہے"

(iii) انہیں چارلس ڈارون (1889-1809ء) کے تجربات فکری کے اس ماحصل سے بھی اتفاق ہے کہ

Culture is the highest stage of Morals

اخلاقیات انسانی کا سب سے بلند مقام کلچر یا ثقافت کو حاصل ہے جہاں وہ اس ذہنی بلوغت پر پہنچ جاتا ہے کہ پورے نظام فکر کو کنٹرول کرے۔

(iv) عربی میں کلچر کا مترادف ثقافت ہے جو فکر و عمل کی بہترین نفاست کی آئینہ دار ہے۔ ثقف الرمح' تیر جب کثرت استعمال سے کند یا ٹیڑھا ہو جائے تو اسے تیز اور سیدھا کرنے کے عمل کا نام ہے۔

اس نے تمام دنیا کے اہل علم کو اکٹھا کیا۔ ان سے پوچھ لیا ہو تاکہ اس تیسری دنیا کے پسماندہ ملک کے کلچر کو روشن کرنے کے لئے لائبریویوں اور لیبارٹریوں کی ضرورت ہے یا ناچ کود کی محفلیں برپا کرنے کی (جن میں لوگوں اور کالجوں کے تمام فنڈ ضائع ہو رہے ہیں اور لائبریریاں برباد ہیں)

لاہور آیئے تو دیکھئے اداروں کا کتنا برا حال ہے اور ہم نئی نسل کو کتنی بے دردی سے قتل کر رہے ہیں۔ کینیڈا کے ونی پیگ میں پہلی جماعت کے بچے لیبارٹری میں جاتے ہیں۔ لاہور کے دسویں جماعت کے طالب علموں کو امتحان کے قریب دنوں میں لیبارٹری میں کچھ تجربے کرا دیئے جاتے ہیں۔ مستحکم کلچران قوموں کا ہے جن کی لائبریریاں اجتہاد اور لیبارٹریاں جہاد کا مرکز ہیں اور رقص تن کی جگہ وہ رقص جاں میں مصروف ہیں۔

یہی حال سائنس اور ٹیکنالوجی کے کم و بیش سارے اداروں کا ہے۔ انسانی وسائل کے خوفناک ضیاع کا یہ عالم ہے کہ سائنسی اور دیگر اہم مضامین یعنی ڈاکٹریٹ کے اسکالرز کو یوں نظر انداز کیا جا رہا ہے (بقول پروفیسر کالڈویل) گویا غیر ملکی یونیورسٹیوں میں گراں اخراجات کے بعد حاصل شدہ ٹیلنٹ سے فائدہ اٹھانا ہم نے سیکھا ہی نہیں ہے۔ ایسا بھی ہے کہ سائنس میں پی ایچ ڈی بستیوں کے انٹر کالجوں کے پرنسپل ہیں یا دفتروں میں سیکشن آفیسر۔ انسانی وسائل کی کوئی تو منصوبہ بندی ہو جس پر سب سیاسی پارٹیاں دستخط کریں اور نو آموز سیاست کاری انہیں جمہوری تماشا نہ بنا دے' معاشیات' فزکس' ریاضیات ہمارا بہترین سرمایہ اگر دوسرے ملکوں میں ہے تو اسے حاصل کرنے میں کیا حرج ہے۔

محترمہ وزیر اعظم آپ کو خوش کرنے کے لئے تعلیم گاہوں میں رقص و سرود کی محفلیں عام ہونے لگ گئی ہیں۔ کتھک ڈانس کو فروغ دینے کے لئے ہمارے ملک کے عمر رسیدہ رقاصہ منظر عام پر آ گئے ہیں اور رقاصاؤں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہو رہا ہے۔ نوجوان' بچوں اور بچیوں کو فنکاری کی تعلیم کے لئے بڑے موثر پروگرام ٹیلی ویژن دکھا رہا ہے۔ لیکن اگر آپ رقص کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو آپ کو حیرت ہو گی کہ ماہرین تعلیم و اخلاقیات نے اس کی شدت سے مخالفت کی ہے۔ میرے سامنے تاریخ فرانس کا لوئی چہاردہم کا دور ہے جب رقص عام ہو گیا تھا اور مشہور عالم ماہر تعلیم روسو نے تعلیم گاہوں میں رقص و سرود کی محفلیں برپا کرنے کی مخالفت کی تھی۔ اور ملت اسلامیہ کے دور حاضر کے سب سے بڑے مفکر اور پاکستان کی نظریاتی بنیاد کے بہترین ایڈووکیٹ' ترجمان حقیقت ڈاکٹر محمد اقبال نے تو اپنی معرکہ آرا کتاب "جاوید نامہ" میں احمد شاہ ابدالی کی زبان میں بڑی خوبصورتی سے اس نکتے کی وضاحت کی ہے کہ وہ

شرق را از خود برد تقلید غرب
باید ایں اقوام را تنقید غرب
قوت مغرب نہ از چنگ و رباب
نے ز رقص دختران بے حجاب
نے ز سحر ساحران لالہ روست
نے ز عریاں ساق و نے ز قطع موست
محکمی او را نہ از لا دینی است
نے فروغش از خط لاطینی است
قوت افرنگ از علم و فن است
از ہمیں آتش چراغش روشن است
(حکمت از قطع و برید جامہ نیست
مانع علم و ہنر عمامہ نیست)
علم و فن را اے جوان شوخ و شنگ
مغزنی باید ز ملبوس فرنگ
اندریں رہ جز نگہ مطلوب نیست
ایں کلہ یا آں کلہ مغلوب نیست
فکر چالاکے اگر داری بسا است
طبع در کے اگر داری بسا است!

اور فنکاری بھی اس ضمن میں آتی ہے بلکہ ماہرین نفسیات کے شخصیت پر اظہارات سے جو نتیجہ رابرٹ تھاؤلیس نے نکالا ہے اس کی رو سے اس سے تعمیر و استحکام ذات کو بے انتہا نقصان پہنچتا ہے اور نقالی' پھکڑ پن اور اداکاری سے تخلیقی فراست اور استقرار ذات کو غیر معمولی دھچکا لگتا ہے قرآن مجید میں غضب الٰہی کی مستوجب قومیں قردۃ خاسئین (پھٹکارے ہوئے بندر) اس لئے ہو جاتی ہیں کہ ان میں بندروں کی سی نقالی رہ جاتی ہے اور تخلیقی عظمتوں کی خداداد صلاحیتیں ان کا ساتھ چھوڑ جاتی ہیں۔ جدید فلسفہ فکر کی personality سے بڑھ کر Personalism اہم ہے اور اس کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ

"Personalism holds that personality is supreme value an life and is key to all reality and value

حضرت علامہؒ نے متاثرین میں شخصیت کے اسی زوال کا سبب تمثیل کو قرار دیا ہے کہ۔

یہی کمال ہے تمثیل کا کہ تو نہ رہے
رہا نہ تو تو نہ سوز خودی نہ ساز حیات

خدارا سوچئے اتنی بڑی تعداد میں کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طالب علموں کو زوال شخصیت کے ان تجربوں سے گزارنے کی ضرورت کیا ہے؟ مشہور عالم ایکٹرس گریٹا گاربو نے کہا تھا کہ جو لڑکی دس ڈراموں میں دس خاوندوں کی بیوی بنتی ہے اس کا اپنے گھر کے استحکام پر اعتماد اٹھ جاتا ہے اور ہم نے ناچ کود کو اتنا گلیمر دے دیا ہے کہ یونیسکو میں گرانقدر خدمات سرانجام دے کر لاہور میں مقیم ایک اسکالر سے جب اس کے گھر کا پتہ پوچھا گیا تو کہنے لگا کہ فلاں مشہور ایکٹر کی معرفت معلوم کر لیجئے مجھے تو کوئی نہیں جانتا ہے۔ ٹیلی ویژن کے کوئز پروگراموں میں ۸۰ فیصد سوالات ایکٹروں' ایکٹرسوں اور کھلاڑیوں کے بارے میں اور ان کے نام سب کو طوطے کی طرح یاد ہیں۔ ماہرین اقتصادیات' سائنس دانوں' ٹیکنوکریٹس کا کسی کو علم نہیں۔ ٹیلی ویژن کے ارباب اختیار اس بدقسمت قوم کو کن اندھیروں میں لے جا رہے ہیں مجھے تو یوں لگتا ہے کہ

اذا کان الغراب دلیل قوم
سیدیھم طریق الھالکینا

گریٹا گاربو سے جب مختلف ڈراموں میں مختلف خاوندوں کے ساتھ بیوی کا کردار ادا کرنے کی بات کی گئی تو اس نے برملا کہا کہ میں اپنے اصلی خاوند کو بھی انہی میں سے ایک سمجھتی ہوں ورنہ میں حقیقت سے قریب نہیں جا سکتی۔ یہاں تک کہ مجالست اور ....

سیاسی غزل

پروفیسر اسرار احمد سہاروی

فوج اس ملک میں گھس آئی ہے شیطانوں کی
کٹھ پتلیاں بندھ کے لیجائے گی ایمانوں کی

بتِ کافر کو مسلط کیا اپنے گھر پر
کس طرح کی یہ سیاست ہے مسلمانوں کی

ہر جگہ کفر کا غلبہ ہے مسلمانوں پر
جوتیاں چاٹ رہے ہیں یہ ستم رانوں کی

جس سے امید وفا کی کسی صورت میں نہیں
اس سے امیدیں ہیں وابستہ مسلمانوں کی

ایک بڑھتا ہوا گمراہیوں کا سیلاب ہے یہ
ہر جگہ قوم ہے مرہون ستم رانوں کی

صرف اپنا ہی وطن ظلم کا مرہون نہیں
ساری دنیا پہ ستم رانی ہے شیطانوں کی

ایسا طوفانِ ستم ہم نے نہ دیکھا نہ سنا
خاک ہم نے بھی بہت چھانی ہے ویرانوں کی

کارواں اپنی سیاست کا بھی گمراہ ہوا
ہر جماعت میں قیادت بنی نادانوں کی

کیسے آشوبِ بلا میں ہے سفینہ اسرار
نہ جڑا اپنوں کی ملتی ہے نہ بیگانوں کی

تک (اگر ہمیں انہی کے معیار پر اپنے ٹی وی کو لے جانا ہے تو کیا ہم اپنی بیٹیوں کو اس درجہ پست کر دینے پر آمادہ ہیں؟ کیا واضح "بیڈ سین" کے بغیر کوئی یورپین اور امریکی فلم مکمل ہے۔ کیف تحکمون؟)

رقص کی دو اقسام ہیں جن کا ذکر اقبالؒ نے بڑی خوبصورتی سے یوں کیا کہ

رقص تن در وجد آرد خاک را
رقص جاں برہم کند افلاک را

رقص تن تو خاک ہی کو وجد میں لاتا ہے۔ یہ رقص تو کتا بھی کرتا ہے' گدھا بھی' یہ رقص تو گھوڑا بھی کرتا ہے اور اونٹ بھی (میلہ مویشیاں میں ہم سب نے دیکھا) اب اگر ہماری بیٹی سب کے سامنے اپنے ایک ایک عضو کو نچاتی ہے تو یہ تو ان حیوانات سے بڑھ کر سفلی جذبات کو ابھارنے کا استعارہ ہے اور اس کا کلچر سے کوئی تعلق نہیں۔ اس سے جنسی اشتعال پیدا ہو گا اور غربت زدہ' پریشان حال' جاہل اور ذہنی طور پر علیل نوجوان اس کی طرف راغب ہو گا اور وہ برائیل کا تجربہ دہرائے گا۔

دوسرا رقص۔ رقص جاں ہے۔ لائبریریوں اور لیبارٹریوں میں تربیت یافتہ قومیں جب اجتہاد و جہاد کی عظمتوں کے دروازے پر دستک دیتی ہیں اور وہ ان پر کھل جاتے ہیں' تو ان کی "جان" رقص کرتی ہے۔

اس رقص جان میں مبتلا وہ تمام اعاظم الرجال ہیں جن کے نام ہمیں ازبر ہیں۔ میں نے قائد اعظم محمد علی جناح۔ ایک ضعیف و زار نزار بوڑھے' ہڈیوں کے ڈھانچے۔ عظیم انسان کی روح کو رقص کرتے ہوئے دیکھا تھا جب اس نے پہلی تقریر کے آخیر میں ایک پر اعتماد' توانا لہجے میں پکار کر کہا تھا پاکستان زندہ باد!

آمدنی فی کس کے لحاظ سے ہم دنیا میں سب سے پست ہیں' خواندگی کے اعتبار سے ہم بنگلہ دیش سے بھی پیچھے رہ گئے ہیں (ان کا وفد دو سال ہوئے ہماری مکتب سکیم کا پورا منصوبہ لے کر گیا سی این این میں ان کے مکتب کا منظر دیکھے ان کی شرح خواندگی ۶۰ فیصد ہے ہماری ملکہ بھوکوں کی بھوک کا علاج کیک اور پیسٹری سے کرے گی!) اس بدترین صورت حالات میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں' اس سے توبہ کریں اور اگر فی الواقع جمہوریت نام کی کسی اصطلاح کا ہماری سیاسی لغت میں کوئی وجود ہے تو لوگوں کی بات سنیں انہیں آپ کی خرد کی نامسلمانی سے سخت شکایت ہے۔ اور یہ کبھی نہ بھولئے۔

تاریخ نے قوموں کا وہ دور بھی دیکھا ہے
لمحوں نے خطا کی تھی' صدیوں نے سزا پائی

بقیہ : روداد چمن

کی بنیاد پر استحصال کرنے والے کب تک دندناتے رہیں گے۔ اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے۔ لہٰذا انہیں آخر حساب چکانا ہو گا۔ بقول اقبال۔

دنیا کو ہے پھر معرکہ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا
اللہ کو پامردی مومن پہ بھروسہ
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

پاکستان کے وزیر داخلہ نصیر اللہ بابر کے حالیہ الزامات سے' کہ دارالحکومت (اسلام آباد) میں واقع اسلامی یونیورسٹی دہشت گردی کی آماجگاہ ہے' اسلامی یونیورسٹیوں اور شدت پسندوں کے مابین روابط کا مسئلہ ایک بار پھر سامنے آیا ہے۔ اگرچہ ان الزامات کی یونیورسٹی کے حکام نے واشگاف الفاظ میں تردید کی ہے۔ پھر بھی ان الزامات سے تمام جنوبی ایشیا میں اس طرح کے اداروں کے کردار کے بارے میں سوالات ابھر رہے ہیں۔ بی بی سی کے تجزیہ نگار شارن سندھو نے جنوبی ایشیا کی کئی یونیورسٹیوں پر نظر ڈالی ہے' جن میں سے کچھ تو اسلامی ہیں اور کچھ پر اسلام پسند گروپوں کا غلبہ ہے۔

پاکستان کے وزیر داخلہ کا بیان کہ اسلامی یونیورسٹی اسلامی شدت پسندوں کو پناہ دیتی اور ان کی پرورش کرتی ہے' نیز ان کا کہنا کہ "اگر انہیں موقع ملے' اور ان کے اختیار میں ہو تو اسے بند کر دیں' خطرے سے خالی نہیں ہے۔ اسلام آباد میں مصری سفارت خانے پر بم کے حملے کے بعد اس یونیورسٹی پر شبہ ظاہر کیا گیا ہے کیونکہ اس کے رابطے مصر کی اسلامی تنظیموں سے ہیں۔ اس یونیورسٹی میں' جو عرب ممالک کے عطیات سے چلتی ہے' تقریباً بارہ سو طلباء زیر تعلیم ہیں' جن میں سے تقریباً آٹھ سو غیر ملکی ہیں۔ اس یونیورسٹی کے ڈائریکٹر گلزار احمد خواجہ کے کہنے کے بعد یہ طلبا پچپن ممالک سے تعلق رکھتے ہیں' جن میں شمالی افریقہ اور مشرق وسطیٰ کے ملکوں کے علاوہ' افغانستان' چین اور البانیہ سے آئے ہوئے طلبا بھی شامل ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ طلبا کشمیر کے بھی ہیں۔ تاہم انہوں نے اس بات کی تردید کی ہے کہ یہ یونیورسٹی بنیاد پرست تیار کرتی ہے' جو اس نظریئے کو اپنے ملک واپس لے جاتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر چند غیر ملکی اسلامی شدت پسند ہیں بھی تو ان کا تعلق دور افتادہ شمالی علاقے سے ہے' جس کی سرحد افغانستان سے ملتی ہے۔

پاکستان کے شہر پشاور سے کوئی تیس کلومیٹر دور قصبے "ہبی" میں ایک اسلامی یونیورسٹی تھی جو "دعوت جہاد" کہلاتی تھی۔ اس ادارے میں شدت پسندوں کے خلاف' حکومت کی سخت کارروائی کے بعد اسے بند کر دیا گیا تھا۔ افغان جنگ کے عروج کے زمانے میں اس ادارے میں کوئی دو ہزار طلباء زیر تعلیم تھے۔ اس یونیورسٹی کو سعودی عرب اور دیگر عرب ممالک سے مالی امداد ملتی تھی' اور اسے "اتحاد اسلامی" سے تعلق رکھنے والے ایک افغان راہنما پروفیسر عبدالرب رسول سیاف چلاتے تھے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ افغان طالبان اسلامی تحریک جو جنوبی افغانستان کے بیشتر علاقے اور ہرات پر کنٹرول رکھتی ہے' اور اب کابل پر قبضہ کرنے کی کوشش کر رہی ہے' اسی مذہبی تعلیمی ادارے کی وجہ سے وجود میں آئی۔ پاکستان کی وزارت خارجہ کے سیکرٹری نجم الدین شیخ نے اس سال کے اوائل میں کہا تھا کہ ایسے مدرسے اور تعلیمی ادارے جنہیں حکومت سے لاکھوں ڈالر کی امداد ملتی ہے' شدت پسند اسلامی گروپوں کی آماجگاہ ہیں۔ وزیر اعظم بے نظیر بھٹو نے ان کو کنٹرول کرنے کی کوشش میں انہیں رجسٹرڈ کرنے کی تجویز پیش کی تھی۔ تجزیہ نگاروں کے خیال میں بے نظیر بھٹو کو یہ مشکل درپیش ہے کہ ان میں سے بیشتر مدرسے جمعیت العلماء اسلام چلاتی ہے' جس کے اراکین پارلیمنٹ ملک کی قائم موجودہ حکومت کی حمایت کرتے ہیں۔

بنگلہ دیش میں یونیورسٹیاں سیاسی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں۔ چٹا گانگ اور راجشاہی یونیورسٹی میں جماعت اسلامی کا زور ہے۔ ہندوستان میں جہاں "کلیہ دہلی" اور "علی گڑھ مسلم یونیورسٹی" دو مسلم یونیورسٹیاں ہیں' جنہیں عموماً سیکولر سمجھا جاتا ہے' اور انہیں حکومت سے امداد ملتی ہے۔ مگر ہندوستان کی جماعت اسلامی کا ہر کیمپس میں نوجوانوں کا شعبہ ہے۔ اگرچہ ان دونوں یونیورسٹیوں کے کیمپس میں غیر ملکی طلباء بھی ہیں لیکن ان کا تعلق کسی بنیاد پرست گروپ سے نہیں ہے۔ ہندوستان میں اسلامی تعلیم کے دو اور اہم مراکز ہیں۔ ایک "ندوہ العلماء" اور دوسرے "دارالعلوم دیوبند" ہے۔ انہیں بھی بنیاد پرست ادارے تصور کیا جاتا ہے۔ مہاراشٹر پردیش' مدھیا پردیش اور راجستھان میں بھی مدرسوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ ریاستی حکومت نے تشویش ظاہر کی ہے کہ ان میں بنیاد پرست خیالات کا پرچار ہوتا ہے۔

(باقی صفحہ ۱۰ پر)

پاکستان کا اصل مسئلہ صدارتی یا پارلیمانی نظام ..... یا اسلامی تشخص؟

صدارتی نظام موجودہ کرپشن کو کسی درجے میں کم کر سکتا ہے

صدارتی نظام اور چھوٹے صوبے باہم لازم و ملزوم ہیں

امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک حالیہ گفتگو سے ماخوذ

میرے نزدیک صدارتی اور پارلیمانی نظام کا مسئلہ پاکستان کے حوالے سے اتنا اہم نہیں جتنا پاکستان کے اسلامی اور غیر اسلامی ہونے کا ہے' اگر پاکستان میں کتاب اور سنت کی بالادستی قائم ہو تو وہ صرف اسی صورت میں اسلامی ریاست قرار پائے گا۔ قرارداد مقاصد پاس ہو جانے کے بعد ہم صرف نظری طور پر ہی یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک منزل متعین ہو گئی ہے' تاہم دنیا میں جمہوریت کے جو دو نظام ہیں یعنی پارلیمانی اور صدارتی ان میں سے صدارتی نظام ہمارے حالات کے مطابق زیادہ معقول اور مناسب ہے۔ ہر ریاست کے تین بنیادی ستون ہوتے ہیں اول انتظامیہ' دوم مقننہ سوم عدلیہ۔

اصولی اعتبار سے تینوں ایک دوسرے سے جتنے علیحدہ ہوں گے اتنا ہی نظام صحیح ہو گا جتنی ان میں گڈمڈ ہو گی اتنی ہی گڑبڑ ہو گی۔ پارلیمانی نظام میں مقننہ اور انتظامیہ کے تعلقات گڈمڈ ہوتے ہیں جبکہ صدارتی نظام میں مقننہ اور انتظامیہ علیحدہ علیحدہ ہوتی ہیں۔ انتظامیہ مقننہ کی پابند نہیں ہوتی۔ پارلیمانی نظام میں انتظامیہ کی ساری توجہ اس طرف رہتی ہے کہ اپنے مینڈکوں کو سنبھال کر رکھیں کہیں کوئی مینڈک پھدک نہ جائے' کوئی گھوڑا بک نہ جائے جبکہ صدارتی نظام میں صدر چار پانچ سال کے لئے منتخب ہونے کے بعد اطمینان کے ساتھ کام کر سکتا ہے۔ اس پر صرف مواخذہ کی تلوار لٹکتی رہتی ہے تاکہ اگر وہ کوئی غیر اخلاقی حرکت یا کوئی غلط کام کرے تو اس کا محاسبہ ہو سکے لیکن انتظامیہ کے معاملے میں اس کا ہاتھ آزاد ہوتا ہے۔

صدارتی نظام میں ایک خوبی یہ ہے کہ صدر اپنے وزراء ماہرین میں سے لے سکتا ہے' اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ صرف قومی اسمبلی یا سینٹ کے ممبر ہی کو وزیر بنائے' صدر کو یہ اختیار بھی ہوتا ہے کہ وہ ملک کے بہترین دماغوں کو آگے لائے اور ان سے کام لے۔ اسی وجہ سے میرے نزدیک یہ ایک بہتر نظام ہے اور اس سے خیر کی توقع زیادہ ہو سکتی ہے۔ پارلیمانی نظام میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ دو سربراہ وجود میں آ جاتے ہیں۔ ریاست کا سربراہ علیحدہ ہو جاتا ہے اور حکومت کا سربراہ علیحدہ' اب ان کے درمیان توازن نہیں ہوتا۔ یہ جیسا کہ قرآن مجید میں

> **"اس ملک میں جس کسی نے بھی غیر جانبدارانہ طور پر سوچا ہے اس نے یہ کہا ہے کہ اس ملک میں مزید صوبے بننے چاہئیں اب اس میں جن لوگوں کو فوری نقصان کا خدشہ ہے وہی اس کے خلاف ہیں"**

کہا گیا ہے کہ اگر اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی اللہ ہوتا تو کائنات میں فساد پیدا ہو جاتا تو اوپر جا کر ایک ہی سربراہ ہونا چاہئے ورنہ پھر خرابیاں پیدا ہو جائیں گی اور جیسا کہ ہو رہی ہیں۔

اگر ہم برطانیہ کی طرف دیکھیں جہاں پارلیمانی نظام کامیابی سے چل رہا ہے تو وہاں ملکہ حکومتی معاملات میں دخل اندازی نہیں کرتی۔ انہوں نے تو بکنگھم پیلس کو صرف ایک انسانی چڑیا گھر بنا رکھا ہے' سارا اختیار وزیر اعظم کے پاس ہے بلکہ تو صرف روایت کی وجہ سے موجود ہے۔ صدارتی نظام اسلامی نظام خلافت سے بھی قریب تر ہے' اس لئے ہمارے سیاسی مسائل کا حل بھی اس میں مضمر ہے چونکہ ہمارے ہاں سیاسی ادارے زیادہ مضبوط نہیں ہیں پارٹی وابستگیاں بھی اب کچھ استوار ہو گئی ہیں لیکن پھر بھی ہمارے اکثر ممبران ہر وقت بکنے کے لئے تیار بیٹھے ہوتے ہیں۔ پارلیمانی نظام میں سربراہ حکومت کو اس بات کی فکر لاحق رہتی ہے کہ کہیں کوئی رکن کھسک نہ جائے' اس طرح ممبران سربراہ حکومت کو بلیک میل کر کے فوائد حاصل کرتے ہیں بعض اوقات یہ صورتحال ہو جاتی ہے کہ ایک ووٹ پر حکومت کھڑی ہوتی ہے لیکن اگر وہ ایک ووٹ بھی چلا گیا تو حکومت بھی گئی اس قسم کی صورتحال میں سیاسی بلیک میلر بڑی سے بڑی قیمت وصول کر لیتے ہیں۔

جہاں تک کرپشن کا تعلق ہے تو صدارتی نظام میں صدر کے خلاف اس قسم کا مواخذہ کیا جا سکتا ہے' مواخذہ بڑی خوفناک چیز ہے۔ امریکہ میں جب صدر نکسن کے خلاف مواخذہ کی تحریک پیش ہوئی تو وہ اس سے پہلے ہی استعفیٰ دے گئے ہمارے سیاسی ادارے بھی ایسے ہی مضبوط ہونے چاہئیں۔ اس سلسلے میں ہمارے ممبران اسمبلی بھی جوابدہ ہیں لیکن ان کا حال یہ ہے کہ اگر کسی کے متعلق کرپشن کی بات ہو تو اسمبلی اس کا کوئی نوٹس ہی نہیں لیتی اگر معاشرے کے اندر رائے عامہ اور صحافت بیدار ہو تو وہ کرپشن کو روک سکتی ہے۔

صدارتی نظام کی مخالفت کرنے والے یہ کہتے

ہیں کہ قائد اعظم نے چونکہ پاکستان کے لئے پارلیمانی نظام تجویز کیا تھا اس لئے یہاں پارلیمانی نظام ہی ہونا چاہئے اس سلسلے میں' میں یہی کہوں گا کہ قائد اعظم نے پاکستان کے لئے ساری جنگ پارلیمانی نظام کے اندر رہتے ہوئے لڑی تھی ان کی اپنی جو تربیت ہوئی تھی وہ بھی پارلیمانی نظام میں ہوئی تھی' انہوں نے اس کی خوبیوں کے پیش نظر ہی اس کی حمایت کی ہو گی لیکن انہیں علم نہیں تھا کہ ان کے جانشین اس نظام کو کس طرح کرپشن میں آلودہ کر دیں گے۔

قائد اعظم ہمارے بہت بڑے محسن ہیں لیکن وہ کوئی نبی نہیں تھے کہ ان کا فرمان ابدی ہو' ان کی عزت اپنی جگہ ہے لیکن ہم نے قائد اعظم کی بے شمار اچھی باتوں کو بھی تو نہیں اپنایا مثلاً وہ تو اسلامی سوشلزم کی بات کرتے تھے' معاشی انصاف کی بات کرتے تھے' ہم نے یہ کب اختیار کی ہے اور اس کے بارے میں بھی میرے علم میں تو کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ انہوں نے کہا ہو کہ پاکستان کے لئے صرف پارلیمانی نظام ہی درست ہے' دراصل آزادی کے وقت برطانیہ کا نظام پارلیمانی تھا اور ہم نے "دولت مشترکہ" میں بھی رہنا تھا شاید اس وجہ سے بھی پارلیمانی نظام ہی اپنانا انہوں نے مناسب سمجھا ہو۔ جب میں صدارتی نظام کی بات کرتا ہوں تو میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اس ملک میں نئے صوبے بنائے جائیں جو چھوٹے ہوں یعنی اگر ہماری آبادی ۱۲ کروڑ ہے تو ہمارے ۱۲ صوبے ہونے چاہئیں اور اس میں انتظامی سہولتوں اور جغرافیائی ضرورتوں کو سامنے رکھا جانا چاہئے۔ میرے نزدیک اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ اس سلسلے میں زبان اور فرقے کے مسئلے کو بھی سامنے رکھا جائے اور صوبوں کو اجازت دی جائے کہ وہ اپنی روایات کو ترقی دیں اس میں اگر کوئی بات غیر اسلامی ہو تو اسے نکال دیا جائے کیونکہ جب یہ اصول طے ہو جائے گا کہ اس ملک میں کتاب و سنت ہر چیز سے بالاتر ہے تو چاہے روایت ہو یا قانون اگر وہ غیر اسلامی ہے تو خود بخود ختم ہو جائے گا۔ جو باتیں قرآن و سنت کے ساتھ متصادم نہ ہوں انہیں ترقی ملنی چاہئے اسی طرح زبانیں ہیں سوائے عربی زبان کے سب زبانوں کو برابری کا درجہ ملنا چاہئے۔ عقلمندی کا تقاضا یہ تھا کہ جیسے سر آغا خان اور زاہد حسین مرحوم نے پاکستان بنتے ہی کہا تھا کہ ہمیں پاکستان کے لئے عربی زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دینے کا فیصلہ کر لینا چاہئے لیکن ہماری بدقسمتی کہ ہم نے سیاسی حالات کے تقاضوں کو نہ سمجھا بنگالی اور سندھی کسی صورت میں بھی اردو زبان کو سرکاری زبان تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ ویسے بھی آج تک ہم نے اردو کو نام کی حیثیت سے قومی زبان کا درجہ دے رکھا ہے حقیقت یہ ہے کہ ہم نے نہ تو اسے سرکاری زبان بنایا ہے اور نہ ہی قومی زبان بنا سکتے ہیں۔ قائد اعظم کی اپنی زندگی میں بھی بنگلہ زبان کا مسئلہ پیدا ہوا تھا اور قائد اعظم کو خود اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ڈھاکہ جانا پڑا تھا لیکن ان کے جانے سے بھی مسئلہ حل نہیں ہو سکا تھا۔ دراصل بنگالی یہ سمجھتا تھا کہ اگر یہاں کی سرکاری زبان اردو ہو جاتی ہے تو میرا بیٹا پیچھے رہ جائے گا یہ ہماری جو آئے ہیں ان کے بچے آگے نکل جائیں گے کیونکہ اردو ان کی مادری زبان تھی۔ یہی بات سندھی بھی محسوس کرتا تھا چونکہ ہمارے ہاں دنیاوی ترقی اور معاملات کی اہمیت ہے لہٰذا ان میں سے کسی نے بھی اردو کو تسلیم نہیں کیا۔

آجکل بھی ہمارے ہاں راج تو انگریزی کر رہی ہے اور اردو کا نفاذ ابھی تک نہیں ہو سکا۔ زبان کے معاملے میں ہندوستان نے ہم سے بہتر حکمت عملی اختیار کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمت کو مومن کی گمشدہ متاع قرار دیا ہے کہ جہاں سے یہ ملے اسے حاصل کر لو' پورے بھارت میں ۵ یا ۶ ریاستوں میں ہندی زبان ہے باقی سب ریاستوں کی اپنی اپنی زبان ہے اور ان کے صوبے اپنے تمام معاملات اپنی زبانوں میں چلاتے ہیں صوبائی اسمبلیوں کی کارروائی اپنی اپنی زبانوں میں ہوتی ہے صرف صوبوں کا آپس میں یا مرکز سے رابطہ انگریزی میں ہوتا ہے۔ اب جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ۱۲ صوبے کس طرح بنیں گے اس سلسلہ میں میں کہوں گا کہ پنجاب کے کم از کم ۵ صوبے بننے چاہئیں' ۲ سرائیکی' اسی طرح ایک سنٹرل پنجاب کا صوبہ ہونا چاہئے جس میں لاہور گوجرانوالہ' سیالکوٹ وغیرہ شامل ہوں' ایک پوٹھوہار کا صوبہ ہو جو اپنی جگہ پر بالکل علیحدہ تہذیب ہے اس کے اوپر کوہستان کے علاوہ کو ہزارہ سے ملا کر علیحدہ صوبہ بنانا چاہئے۔ اس طرح سندھ تین صوبوں میں تقسیم ہونا چاہئے۔ شمالی' جنوبی اور سنٹرل اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ اس میں جنوبی حصے میں اردو بولنے والی آبادی آ جائے گی اور انہیں اس طرح یہ اعتماد ہو جائے گا کہ ہمارے سیاسی حقوق محفوظ ہیں۔ شمالی سندھ میں اکثریت پرانے سندھیوں کی ہو گی اور درمیانی پٹی میں ملے جلے لوگ ہوں گے مہاجروں نے بھی اب ثابت کر دیا ہے کہ وہ ایک علیحدہ قومیت کا وجود رکھتے ہیں یہ اس لئے ہوا کہ ہم نے اسلام کی طرف پیش قدمی نہیں کی۔ اب ایک نسلی' لسانی' علاقائی عصبیت سزا کے طور پر ابھر کر سامنے آ گئی ہے ورنہ پاکستان بناتے وقت جو اسلام کا جوش و جذبہ تھا اس طرح اسلام کے نفاذ کے لئے بھی ہوتا تو آج حالات بہتر ہوتے۔ اب یہ نصب العین تو پیچھے چلا گیا ادنیٰ چیزوں کی طرف توجہ بٹ گئی اور قومیتیں ابھر کر سامنے آ گئیں' اب مہاجر بھی ایک قوم ہیں اور یہ اس وقت تک مطمئن نہیں ہو سکتے جب تک ان کے پاس ایک ایسا صوبہ نہ ہو جہاں وہ یہ محسوس کریں کہ یہاں صوبائی سطح پر ہمارے پاس اختیارات موجود ہیں۔ آخر پنجابیوں کے لئے پنجاب ہے' سندھیوں کے لئے سندھ ہے' بلوچیوں کے لئے بلوچستان ہے' پٹھانوں کے لئے سرحد ہے تو وہ بھی ایک کروڑ سے زائد لوگ ہیں ان کے لئے بھی تو کچھ ہونا چاہئے۔

> "مہاجروں نے بھی اب ثابت کر دیا ہے کہ وہ ایک علیحدہ قومیت کا وجود رکھتے ہیں یہ اس لئے ہوا کہ ہم نے اسلام کی طرف پیش قدمی نہیں کی۔ اب ایک نسلی' لسانی' علاقائی عصبیت سزا کے طور پر ابھر کر سامنے آ گئی ہے"

اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ صوبے زیادہ کرنے سے انتظامی اخراجات بڑھ جائیں گے اس سلسلہ میں' میں یہ کہوں گا کہ وہ اسمبلیاں بھی تو چھوٹی ہوں گی اور ممبران بھی کم ہوں گے اب ایک شخص کو ہائیکورٹ میں کام کے لئے آنے پر بہت زیادہ فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے اس کے برعکس اگر صوبے چھوٹے ہوں گے تو یہ فاصلے بھی کم ہو جائیں گے اب ان میں جو عدالتی بنچ ہیں مثلاً ملتان بنچ ہے' راولپنڈی بنچ ہے انہیں اگر مستقل ہائیکورٹ بنا دیا جائے تو خرچہ زیادہ نہیں آئے گا۔

اس ملک میں جس کسی نے بھی غیر جانبدارانہ طور پر سوچا ہے اس نے یہ کہا ہے کہ اس ملک میں

مزید صوبے بننے چاہئیں اب اس میں جن لوگوں کو فوری نقصان کا خدشہ ہے وہ تو اس کے مخالف ہیں لیکن پاکستان کے حالات کو معروضی طور پر سامنے رکھا جائے تو "صدارتی نظام" اور "چھوٹے صوبے" یہ دو اقدامات ہمارے معاملات کو بہتر کرنے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ ہمارا اصل مسئلہ اور ہے یعنی جس منزل کے لئے ہم نے یہ ملک حاصل کیا تھا اس منزل کی طرف ہم نے پیش قدمی نہیں کی' اللہ سے ہم نے وعدہ کیا تھا کہ اے اللہ تو ہمیں انگریزوں اور ہندوؤں سے آزادی دے' ہم تیرے دین کا بول بالا کریں گے' ہم تیرے نبیؐ کا نظام نافذ کریں گے' ہم نے اس کی وعدہ خلافی کی جس کی سزا ہمیں نفاق باہمی کی شکل میں مل رہی ہے' اب ایک قوم کی بجائے ہم کئی قوموں میں بٹ چکے ہیں' اب ہمارا اخلاقی دیوالیہ نکل چکا ہے دیانت' امانت اور صداقت تینوں چیزوں ہم سے چلی گئی ہیں اصل مسائل اب توبہ سے حل ہوں گے اب اللہ کی طرف رجوع کیا جائے اور اسلام کی جانب پیش قدمی کی جائے

بقیہ : روداد چمن

بنیاد پرستی (Fundamentalism) اور دہشت گردی (Terrorism) میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ کونسا مذہب ہے' جس پر عمل پیرا بنیاد پرست نہیں۔ آخر حائل اسلام کو کیوں بدنام کیا جا رہا ہے؟ غیروں کی عیاری تو عیاں ہے اپنوں کی سادگی کا بھی کیا کہنا' جو کام دشمن سال ہا سال کی جدوجہد سے نہ کر سکیں' جعفرو صادق دنوں میں کر دکھائیں۔ وہ وزیر اعلیٰ ہوں یا وزیر ثقافت' وزیر خارجہ ہوں یا وزیر داخلہ' "اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے" کا مظہر ہیں لہٰذا اب ضرورت فائر بریگیڈ کی ہے' ضرورت ایسے مجاہدین کی ہے جو سر پہ کفن باندھ کر ایمان حقیقی کا لبادہ اوڑھ کر ہاتھ میں قرآن کی تلوار لے کر' ملامت کرنے والوں سے بے خوف ہو کر میدان کارزار میں آئیں۔ ہاتھ میں ہاتھ دے کر' کندھے سے کندھا ملا کر سیسہ پلائی دیوار بن جائیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بالید کے آب حیات سے اس آگ کو ٹھنڈے کرنے کی جدوجہد کریں' جو مختلف صورتوں میں مثلاً فحاشی و عریانی' تشدد و دہشت گردی' قتل و غارت' چوری و ڈکیتی' سیاسی انتشار' رشوت' جوا' سود' سٹہ' مہنگائی' بے روزگاری اور افراط زر وغیرہ کی صورت میں بھڑک رہی ہے۔ یہی ایک صورت ہے جس پر عمل پیرا ہو کر اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی راہ ہموار ہو سکتی ہے۔ OO

اذان مغرب

کورن میکلیگن (Corinne Mclauglin) اور گارڈن ڈیوڈسن دونوں میساچیوسٹس امریکہ میں قائم ایک ماحولیاتی گاؤں اور علمی برادری' سائیرس (Sirius) کے بانی رکن ہیں۔ سائیرس روحانی سائنس سکول میں ابدی حکمت کی تعلیم پیش کی جاتی ہے۔ کورن' واشنگٹن ڈی سی کی امریکن یونیورسٹی میں قابل تغیر سیاست پڑھاتے رہے ہیں۔ گارڈن ایلی کیپیٹل کارپوریشن کے ڈائریکٹر اور ماحولیاتی ایلیز فنڈز کے سرپرست ہیں۔ اس سے قبل وہ سوشل انوسٹمنٹ فورم اور انیوائرمنٹلی ریسپانسبل اکنامکس (CERES) کے اشتراک کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر رہے ہیں۔ ان کی تازہ تصنیف "Spiritual Politics" جو ۱۹۹۴ء میں شائع ہوئی ہے' روحانی تعلیمات پر مشتمل ہے۔

ورلڈ گڈول (World Goodwill) : روحانی سیاست سے آپ کی کیا مراد ہے؟

کورن میکلیگن : میرے نزدیک روحانی سیاست دنیا میں اندر سے باہر کی طرف تبدیلی لا سکتی ہے' باطنی قوت' یعنی ہماری سوچ' عبادات' اور دروں بینی کو بروئے کار لا کر خارجی احوال پر اثر انداز ہوا جا سکتا ہے۔ روحانی سیاست' امور دنیا میں اقدار' اخلاق اور اصولوں کی فرماں روائی کا نام ہے۔ بیشتر لوگوں کے نزدیک سیاست کا مطلب اقتدار کی رسہ کشی میں حصہ داری ہے لیکن روحانیت پر مبنی سیاست کثیر ترین افراد کو عظیم ترین نیکی سے متعارف کراتی ہے اور انہیں فلاح کے راستے پر گامزن کرتی ہے۔ اگر یہ بات ہمارے ذہن میں رہے کہ سماجی مسائل کا اکیلے مقابلہ کرنا ممکن نہیں تو ہماری کوشش ضرور بار آور ثابت ہوگی۔ فکر و تدبر اور عبادت کے ذریعے سے یقیناً مدد ملتی ہے بشرطیکہ اس کی طلب ہو۔

ورلڈ گڈول : اگلے ۱۰۔۲۰ سال میں جمہوریت کی کیفیت کیا ہوگی آپ کے خیال میں جمہوریت میں کونسی تبدیلی واقع ہو رہی ہے؟

گارڈن ڈیوڈسن : اس وقت دنیا میں ووٹنگ اور منتخب نمائندوں کے بارے میں جمہوریت یقیناً پھیل رہی ہے۔ لیکن اگلی چند دہائیاں اس کے لئے خاصی کٹھن ثابت ہو سکتی ہیں۔ موجودہ استبدادی معاشی نظام کا خاتمہ ناگزیر ہے۔ سب جانتے ہیں کہ آج ---- جمہوریت دولت کا کھیل ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ عوام کی اکثریت مشقت جھیلتی ہے اور اس کی کمائی پر چند لوگ عیش اڑاتے ہیں۔ آئندہ جو بڑی بڑی تبدیلیاں رونما ہونے والی ہیں' ان کا مقصد اقتصادی اور مالیاتی اداروں کو لوٹ کھسوٹ کی بجائے اصول پرستی کی راہ دکھانا ہے تاکہ لوگوں میں نیکی اور بھلائی پھیلے۔ حکومتی سطح پر بدعنوانی اور بدنظمی کے خلاف بھی جمہوریت کو جنگ کا سامنا ہے۔ دوسرے الفاظ میں ایسے لوگوں کو آگے لانے کی ضرورت ہے جن کا اپنا کردار مشتبہ نہ ہو۔ اس کام کے لئے دعاؤں کے ساتھ پیسے کی بھی ضرورت ہوگی۔ اس مسئلے کا انتہائی اہم دوسرا پہلو یہ ہے کہ ایک جمہوری ملک کے عوام میں احساس ذمہ داری اور کردار کا بالکل فقدان نہ ہو جیسا کہ کہا گیا ہے کہ آزادی کا مطلب ہے ہر شخص ہمہ وقت چوکس رہے۔

ورلڈ گڈول : روحانی سیاست اور روحانی معاشی نظام کیا لازم و ملزوم ہیں؟

گارڈن ڈیوڈسن : موجودہ معاشی نظام میں بنیادی تبدیلیاں نہ لائی گئیں تو دنیا میں جمہوریت کا مستقبل روشن نہیں ہو سکتا۔ تاہم جوں جوں لوگوں میں یہ احساس بیدار ہو رہا ہے کہ یہ مادی ترقی اور اس کی چمک دمک چند روزہ ہے' دنیا میں ایک نئی روحانی اقتصادیات جنم لے رہی ہے۔ ایسے لوگوں کے نزدیک دولت ایک امانت ہے جو پوری نوع انسانی کی بھلائی کے لئے خرچ ہونی چاہئے۔ لوگوں میں جب یہ احساس اجاگر ہوگا تو دولت چند خاندانوں یا ملکوں کے گھر کی لونڈی بن کر نہیں رہ جائے گی۔

(دی مسلم ورلڈ' ۹ دسمبر ۱۹۹۵ء)

ہالوکاسٹ ..... ایک حقیقت یا فسانہ؟

اس پروپیگنڈے نے یہودیوں کو دنیا بھر میں مظلوم بنا دیا ہے

کیا اتنی بڑی تعداد میں انسانوں کو فنا کے گھاٹ اتارا جا سکتا ہے؟

ہالوکاسٹ کے بارے میں ۶۶ سوالات اور ان کے جوابات

شائع کردہ : انسٹیٹیوٹ برائے ہسٹاریکل ریویو

اخذ و ترجمہ : سردار اعوان

ہالوکاسٹ (HOLOCAUST) کے بارے میں ۶۶ سوالات اور ان کے جوابات

شائع کردہ : انسٹیٹیوٹ برائے ہسٹاریکل ریویو
پی او بکس ۱۳۰۶، ٹورینس، کیلیفورنیا ۹۰۵۰۵
یو ایس اے

کیا اس کا کوئی ثبوت ہے کہ

* نازیوں نے ۶۰ لاکھ یہودیوں کو ارادتاً قتل کیا تھا یا ان کی نسل کشی کی گئی تھی؟

* قطعاً نہیں! سوائے اس ایک شہادت کے یعنی "زندہ بچ رہنے والے" افراد کی گواہی --- اور یہ گواہی معتبر نہیں کیونکہ "زندہ بچ رہنے والوں" میں کوئی بھی ایسا نہیں جس نے اپنی آنکھوں سے کسی کو گیس سے ہلاک کیا جاتا دیکھا ہو۔ کوئی ایک بھی ٹھوس گواہی نہیں ہے۔ نہ جلائے جانے والوں کی راکھ کے ڈھیر، نہ جلانے کی ویسی کوئی بھٹی، نہ پگھلی ہوئی انسانی چربی کا نشان، نہ انسانی کھالوں کے بنے ہوئے لیمپ شیڈ، نہ ریکارڈ اور نہ ہی ایسے کوئی اعداد و شمار جن سے پتہ چلے کہ کتنے یہودی وہاں آباد تھے۔

* اس کا کیا ثبوت ہے کہ نازیوں نے ۶۰ لاکھ یہودی قتل نہیں کیے؟

* وسیع ثبوت، عدالتی اور آبادی کے اعداد و شمار، تجزیہ اور تقابل پر مبنی، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اتنی بڑی تعداد میں، جسے کم از کم ہزار گنا بڑھا چڑھا کر بتایا جاتا ہے، انسانی جانوں کا اتلاف ممکن ہی نہیں۔

* کیا ایک موقعہ پر سائمن وزنتھال (Simon Wiesenthai) نے یہ تحریری بیان نہیں دیا تھا کہ جرمن سرزمین پر کوئی "صفایا" کیمپ نہیں تھے؟

* بالکل دیا تھا۔ کتاب کا نام Book and Bookmen ہے، اپریل ۱۹۷۵ء ایڈیشن۔ اس میں کہا گیا ہے کہ یہودیوں کو گیس کی بھٹیوں میں جرمنی میں، نہیں پولینڈ میں جلایا گیا تھا۔

* DACHAU (شہر) جرمنی میں واقع ہے اور سائمن وزنتھال کہتا ہے کہ وہاں "صفایا" کیمپ نہیں تھا تو ہزاروں تجربہ کار امریکی فوجی اسے کیوں "صفایا" کیمپ قرار دیتے ہیں؟

* اس لئے کہ جب اتحادیوں نے DACHAU پر قبضہ کیا تو ہزاروں فوجیوں کو وہاں لے جا کر وہ مبینہ عمارتیں دکھائی گئیں جن کے بارے میں بتایا گیا کہ یہ گیس چیمبر تھے اور ابلاغ عامہ نے وسیع پیمانے پر یہ جھوٹ شائع کیا کہ DACHAU میں "گیس" کیمپ تھا۔

* AUSCHWITZ پولینڈ میں تھا نہ کہ جرمنی میں۔ کیا اس کا کوئی ثبوت ہے کہ Auschtwiz میں انسانوں کو ہلاک کرنے کے لئے گیس چیمبر تھا؟

* نہیں۔ ۵۰ ہزار کا ایک انعام مقرر کر کے رقم بطور امانت ایک بینک میں رکھوا دی گئی تھی کہ کوئی اس کا ثبوت پیش کرے مگر کوئی شخص بھی ثبوت نہیں لایا۔ Auschwitz پر روسیوں نے قبضہ کیا تھا اور جنگ کے بعد اس میں وسیع تبدیلیاں کی گئیں۔ مردہ خانے نئے طور پر اس طرح تعمیر کئے گئے کہ وہ بہت بڑے "گیس چیمبر" نظر آئیں۔ پولینڈ کی حکومت اسے سیاحت کے لئے استعمال کر کے پیسہ کماتی ہے۔

* اگر Auschwitz "موت کا کیمپ" نہیں تھا تو اس کا اصل مقصد کیا تھا؟

* یہ ایک بہت بڑا صنعتی کمپلیکس تھا جہاں مصنوعی ربڑ (Buna) تیار ہوتا تھا۔ وہاں کے رہنے والے اس میں مزدوری کرتے تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران امریکہ میں Buna کا طریقہ استعمال کیا گیا تھا۔

* سب سے پہلے کس نے کب اور کہاں اجتماعی نظر بندی کیمپ قائم کئے تھے۔

* مغربی دنیا میں بظاہر پہلے اجتماعی نظر بندی کیمپ امریکہ میں انقلابی جنگ کے دوران استعمال ہوئے تھے۔ برطانیہ نے ہزاروں امریکیوں کو نظر بند رکھا جن میں سے اکثر بیماریوں اور مار پیٹ سے مر گئے۔ انڈریو جیکسن اور اس کے بھائی دونوں مرنے والوں میں شامل تھے۔ بعد میں برطانیہ نے جنوبی افریقہ میں یہ کیمپ قائم کئے اور اس ملک کی فتح کے دوران ڈچ عورتوں اور بچوں کو وہاں رکھا۔ (یہ جنگ Boer جنگ کہلاتی ہے) ان میں ہزاروں لوگ مرے۔ دوسری جنگ عظیم کے کسی بھی جرمن کیمپ کے مقابلے میں یہ کیمپ کہیں زیادہ بدتر تھے۔

* دوسری جنگ عظیم کے دوران جاپانیوں اور جرمن امریکیوں کی نظر بندی کے لئے جو کیمپ بنائے گئے تھے ان میں اور جرمنوں کے قائم کردہ کیمپوں میں کیا فرق تھا؟

* نام کے علاوہ ایک ہی اہم فرق تھا۔ جرمنوں نے ایسے لوگوں کو ان کیمپوں میں رکھا جو اس کی جنگی کارروائیوں میں خطرے کا باعث تھے یا خطرے کا باعث بن سکتے تھے جبکہ امریکیوں نے محض نسل کی بنیاد پر لوگوں کو قیدی بنایا۔

* جرمنوں نے یہودیوں کو کیوں قید کیا؟

* اس لئے کہ جرمنوں کے نزدیک یہودی ان کی حاکمیت اور بقاء کے لئے براہ راست خطرہ تھے۔ مزید یہ کہ کمیونسٹ جو تخریب کاری کرتے اس میں یہودی

بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ بہرحال صرف یہودی ہی نہیں تھے بلکہ جس پر بھی جرمنوں کو شک گزرتا وہ پکڑا جاتا۔

* جرمنی کے خلاف ۱۹۳۳ء سے یہودیوں کا طرز عمل کیا تھا؟

* جرمنی کے سامان کا بین الاقوامی سطح پر مقاطعہ۔

* کیا دنیا بھر کے یہودیوں نے جرمنی کے خلاف "اعلان جنگ" کر رکھا تھا؟

* ہاں! عالمی میڈیا میں شہ سرخی لگتی تھی کہ "جوڈیا (Judea) کا جرمنی کے خلاف اعلان جنگ ہے!"

* کیا ایسا "موت کے کیمپوں" کی افواہ سے پہلے کیا گیا یا بعد میں؟

* لگ بھگ ۶ برس قبل۔ جوڈیا نے جرمنی کے خلاف اعلان جنگ ۱۹۳۳ء میں کر دیا تھا۔

* شہری آبادیوں پر سب سے پہلے بے دریغ بمباری کرنے کا اعزاز کس ملک کو حاصل ہے؟

* برطانیہ عظمیٰ کو۔ ۱۱ جولائی ۱۹۴۰ء

* Auschwitz میں لوگوں کو قتل کرنے کے لئے کتنے گیس چیمبر موجود پائے گئے۔

* ایک بھی نہیں۔

* جنگ سے قبل جرمنی کے زیر تسلط علاقوں میں کل کتنے یہودی آباد تھے؟

* ۴۰ لاکھ سے کم۔

* اگر یورپ میں بسنے والے یہودیوں کا جرمنی نے صفایا نہیں کیا تھا تو وہ کہاں گئے؟

* یورپ میں رہنے والے یہودی جنگ کے بعد بھی یورپ میں ہی رہے' ماسوائے غالباً ان ۳ لاکھ کے جو جنگ کے دوران' مختلف اسباب سے ہلاک ہوئے یا اسرائیل' امریکہ' ارجنٹائن' کینیڈا وغیرہ ہجرت کر گئے۔ یورپ سے جانے والے یہ یہودی جنگ کے بعد وہاں سے گئے ہیں نہ کہ جنگ کے دوران اور ان سب کا اندراج موجود ہے۔

* روس کے اندر کتنے یہودی بھاگ کر دور دراز علاقوں میں چلے گئے؟

* ۲۰ لاکھ سے زائد' اس طرح وہ جرمنوں کی رسائی سے دور ہو گئے۔

* جنگ سے قبل ہجرت کر جانے والے یہودیوں کی تعداد کیا تھی جو جرمنوں کے ہتھے چڑھنے سے بچ گئے؟

* روس میں رہنے والوں کو چھوڑ کر اندازاً ۱۰ لاکھ

* اگر Auschwitz "صفایا کیمپ" نہیں تھا تو کمانڈنٹ روڈلف ہوئس نے اس کا کیوں اقرار کیا؟

* آزمودہ طریقے استعمال کر کے اپنی مرضی کی بات کہلوانے سے۔

* اس کا کیا ثبوت ہے کہ امریکیوں' برطانیوں اور روسیوں نے جنگ کے بعد تشدد کے ذریعے جرمن اہلکاروں سے اپنی مرضی کے بیان دلوائے؟

* نیورمبرگ مقدمات سے پہلے اور ان کے دوران جسمانی ایذائیں دینے کی کئی شہادتیں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر جنگی جرائم کے مقدمات میں بھی یہی کچھ کیا گیا۔

* "ہالوکاسٹ" کے قصے سے یہودی آج کیا فائدہ حاصل کرتے ہیں؟

* ان کے جرائم پر کوئی انگلی نہیں اٹھاتا۔ ان میں قربت پیدا ہوئی ہے' جس کی وجہ سے ان کے لیڈروں کو انہیں اپنے ساتھ رکھنا آسان ہو گیا۔ چندہ جمع کرنے کے لئے اسے بطور ہتھیار استعمال کرتے ہیں اور اسرائیل کو ملنے والی سالانہ ۱۰ بلین ڈالر امداد کا جواز پیدا ہو گیا۔

* اسرائیلی حکومت نے اس سے کس طرح فائدہ اٹھایا؟

* جرمنی سے کئی بلین ڈالر بطور "تاوان" وصول کیا۔ (مشرقی جرمنی نے کچھ دینے سے انکار کر دیا تھا)۔ اس رقم سے صیہونی / اسرائیلی لابی کو امریکی حکومت پر اثر انداز ہونے کا موقعہ ملا۔ امریکی ٹیکس دہندگان مجبور ہیں کہ اسرائیل کو جتنی رقم درکار ہو اسے مہیا کریں۔

* بہت سے عیسائی پادری اس سے کس طرح فائدہ اٹھاتے ہیں؟

* اس کا رشتہ عہد نامہ قدیم (Old Testament) کے اس یہودی عقیدہ سے جڑتا ہے جس کی رو سے یہودی اپنے آپ کو ستم رسیدہ اور "اللہ کے خاص بندے" شمار کرتے ہیں' نیز اسرائیل کی "مقدس سرزمین" عیسائی پادریوں کے لئے کھلی رکھی گئی ہے۔

* کمیونسٹ اس سے کیا فائدہ حاصل کرتے ہیں؟

* ان کے جنگی جنون اور مظالم کی طرف کسی کا دھیان نہیں جاتا۔

* برطانیہ کو کیا فائدہ ہے؟

* وہی جو روس کو ہے۔

* کیا ہٹلر کو یہودیوں کی ہلاکتوں کا علم تھا؟

* نہیں۔

* نازیوں نے "صفایا کیمپوں" میں کون سی گیس استعمال کی تھی؟

* زکلون بی (Zyklon-B)' ایک ہائیڈروسینک (Hydrocyanic) گیس

* یہ گیس کس مقصد کے لئے تیار کی جاتی ہے؟

* ٹائفس والی جوؤں کو مارنے کے لئے' کپڑوں اور کوارٹروں کو جراثیم سے پاک کرنے کے لئے' یہ گیس ہر جگہ دستیاب ہے۔

* انہوں نے اس کی بجائے کسی زہریلی گیس کا استعمال کیوں نہ کیا؟

* اگر نازیوں نے لوگوں کا قتل عام کرنا ہوتا تو اس سے کہیں زیادہ موثر گیس دستیاب تھے۔ زکلون بی تو انتہائی غیر موثر گیس ہے' سوائے اس کے کہ کپڑوں وغیرہ کو جراثیم سے پاک کرنا ہو۔

* زکلون بی کے استعمال کے بعد کتنی دیر میں اس جگہ اس کا اثر ختم ہو جاتا ہے؟

* اندازاً ۲۰ گھنٹے میں۔ نیز اس کا استعمال خاصا پیچیدہ ہے اور صرف تربیت یافتہ افراد اسے استعمال کر سکتے ہیں۔

* Auschwitz کے کمانڈنٹ ہوئیں کا کہنا تھا کہ یہودیوں کے ہلاک ہو جانے کے ۱۰ منٹ بعد ہمارے آدمی گیس چیمبر میں جا کر انہیں وہاں سے ہٹاتے' اس کی کیا توجیح کریں گے؟

* اس کی کوئی توجیح نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ اس صورت میں بعد میں داخل ہونے والوں کا بھی وہی حشر ہوتا جو پہلوں کا ہوا تھا۔

* ہوئیں کے اقبالی بیان میں یہ بھی کہا گیا کہ ہلاک شدگان کو گیس چیمبر سے باہر نکالتے وقت ان کے آدمی سگرٹ پیتے رہتے۔ کیا زکلون ۔ بی آگ نہیں پکڑتی؟

* فوراً آگ پکڑ لیتی ہے۔ ہوئیں کا بیان صحیح نہیں تھا۔

* یہودیوں کو ہلاک کرنے کا اصل طریقہ کیا تھا جو نازیوں نے مبینہ طور پر آزمایا تھا؟

* اس ضمن میں کئی کہانیاں سنائی گئیں۔ مثلاً یہ کہ چھت سے سوراخ کر کے ہجوم کے اوپر کنستر انڈیل دیئے جاتے یا پائپ سے لوگوں کے اوپر گیس کا چھڑکاؤ کیا جاتا۔ اس طرح کہا جاتا ہے کہ لاکھوں یہودیوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔

* اتنے بڑے پروگرام سے بعد میں ہلاک کئے جانے والے یہودی کیسے بے خبر رہے؟

* ایسا پروگرام خفیہ رکھنا ممکن نظر نہیں آتا۔ حقیقت بہرحال وہی ہے کہ ایسا کہیں کوئی گیس چیمبر نہیں تھا۔ سوائے یہودیوں کے کسی نے ان افواہوں کی تصدیق نہیں کی۔

* اگر پکڑے جانے والے یہودیوں کو اپنی ہلاکت کا علم تھا تو وہ مرنے سے پہلے کوئی نہ کوئی تو اپنے بچاؤ کے لئے کوشش کرتے۔

* انہوں نے اس لئے کسی قسم کی زور آزمائی نہیں کی کہ انہیں مارنے کا کوئی پروگرام ہی نہیں تھا۔ انہیں محض نظربندی کیمپوں میں رکھ کر ان سے کام لینا مقصود تھا۔

* اندازاً کتنے یہودی ان نظربندی کیمپوں میں ہلاک ہوئے؟

* تقریباً ۳ لاکھ

* یہ کیسے ہلاک ہوئے؟

* زیادہ تر ٹائفس کی وباء سے جو جنگ زدہ یورپ میں پھیلی۔ اس کے علاوہ فاقے اور علاج معالجے کے فقدان سے، خصوصاً جنگ کے آخری دور میں جب اتحادیوں کی بمباری سے سڑکوں اور ریلوں کا نظام درہم برہم ہو کر رہ گیا۔

* ٹائفس کیا ہوتا ہے۔

* جب بہت سارے لوگ کافی عرصہ بغیر نہائے دھوئے اس طرح پر ہجوم کیمپوں میں رکھے جائیں تو یہ بیماری لگ جاتی ہے۔ اور جوؤں کے ذریعے دوسروں تک پھیل جاتی ہے۔ اس لئے فوج میں چھوٹے بال رکھے جاتے ہیں۔ جرمن اگر کیمپوں میں زکلون۔ بی کا استعمال کرتے تو شاید اس بیماری سے کم لوگ ہلاک ہوتے۔

* فرق کیا ہوا۔ اگر ۶۰ لاکھ یا ۳ لاکھ یہودی اس پرہیبت دور کی نذر ہوئے؟

* فرق ۵۷ لاکھ!! لیکن اہم بات یہ ہے کہ ہالوکاسٹ پراپیگنڈہ کے برعکس کسی کو جان بوجھ کر ہلاک نہیں کیا گیا تھا۔

* موت کے ان کیمپوں میں بچ رہنے والے کئی یہودی بتاتے ہیں کہ انہوں نے نعشوں کا گڑھوں میں پھینک کر جلایا جانا دیکھا تھا۔ اگر ایسا ہوا تھا تو کتنا تیل صرف ہوا ہو گا؟

* اس وقت تیل کی شدید کمی تھی، چنانچہ جرمنوں کو جتنا تیل دستیاب تھا اس سے کہیں زیادہ مقدار میں اس کام کے لئے درکار ہوتا۔

* کیا گڑھوں میں نعشوں کو جلایا جا سکتا ہے؟

* نہیں، اس طرح کھلے گڑھوں میں انسانی جسم جل کر راکھ نہیں بن سکتا۔

* "ہالوکاسٹ" تحریر کرنے والوں کا کہنا ہے کہ نازی ۱۰ منٹ میں نعش کو جلا کر راکھ کر لیتے تھے۔ آپ کے خیال میں کتنا وقت لگ سکتا ہے؟

* قریباً ۲ گھنٹے۔

* نظری بندی کیمپوں میں نعشوں کے جلانے کی بھٹیاں کس لئے تھیں؟

* ٹائفس کی وباء سے ہلاک ہونے والوں کو ٹھکانے لگانے کے لئے۔

* جرمنوں کے قائم کردہ کیمپوں میں موجود جلانے کی بھٹیاں اگر ہر وقت چالو رہی ہوں تو اس سارے عرصے میں کل کتنی نعشیں جلائی جا سکی ہوں گی؟

* تقریباً ۴۳۰،۶۰۰ نعشیں۔

* کیا ویسی کوئی بھٹی ہر وقت چالو رکھی جا سکتی ہے؟

* نہیں! زیادہ سے زیادہ ۲۴ گھنٹوں میں سے ۱۲ گھنٹے استعمال ہو سکتی ہے کیونکہ اس کی صفائی وغیرہ کے لئے بھی وقت درکار ہو گا۔

* ایک نعش کے جلنے سے کتنی راکھ بنتی ہے؟

* ہڈیوں کو بھی پیس کر شامل کریں تو قریباً ایک پورا شوباکس (Shoebox)

* اگر نازیوں نے ۶۰ لاکھ یہودیوں کو جلایا تھا تو ان کی راکھ کا کیا کیا؟

* ابھی تک کسی نے اس کا جواب نہیں دیا۔ ۶۰ لاکھ جسموں کی ڈھیروں راکھ بنتی۔ لیکن کہیں کوئی ڈھیر نہیں دیکھا گیا۔

* جنگ کے دوران اتحادیوں نے Auschurits کے جو فوٹو لئے تھے ان میں کسی "گیس چیمبر" کا وجود ملتا ہے؟

* نہیں، بلکہ کہیں دھواں بھی نظر نہیں آتا۔ نہ ہی کوئی گڑھا دیکھا جا سکتا ہے، جس میں کہ نعشوں کو جلایا جاتا ہو۔

* ۱۹۳۵ء کے جرمن "نیورمبرگ قانون" کی اہم شق کیا تھی؟

* جرمنوں اور یہودیوں کی آپس میں شادی کی ممانعت۔ اسرائیل میں آج یہی قانون نافذ ہے۔

* نیورمبرگ قانون کی امریکہ میں کوئی مثال ہے؟

* امریکی کی کئی ریاستوں میں نازیوں سے بہت پہلے ایسے قوانین موجود تھے۔

* "ہالوکاسٹ" کے بارے میں عالمی ریڈ کراس کی کیا رپورٹ تھی؟

* ستمبر ۱۹۴۴ء میں آئی آر سی کے ایک وفد نے Auschwitz کا دورہ کرنے کے بعد اپنی رپورٹ میں بتایا تھا کہ انہوں نے وہاں کوئی گیس چیمبر نہیں دیکھا۔

* جب ۶۰ لاکھ یہودیوں کو مبینہ طور پر جلایا جا رہا تھا تو ویٹی کن کا ردعمل کیا تھا؟

* اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو ویٹی کن کو ضرور معلوم ہوتا۔ لہٰذا اس کی طرف سے کچھ کہا جانا غیر ضروری تھا۔

* اس کا کوئی ثبوت کہ ہٹلر کو یہودیوں کا جلایا جانا معلوم تھا؟

* کوئی نہیں۔

* کیا نازیوں کا صیہونیت کے ساتھ کوئی گٹھ جوڑ تھا؟

* ہاں! دونوں چاہتے تھے کہ یہودی یورپ میں نہ رہیں۔ جنگ کے پورے عرصہ میں دونوں کے تعلقات خوشگوار رہے۔

* جنگ ختم ہونے کے صرف چند ہفتے قبل این فرینک کی موت واقع ہو گئی۔ اس کا کیا سبب تھا؟

* ٹائفس

* کیا این فرینک کی ڈائری اصلی ہے؟

* نہیں!! سویڈن کے ڈیلب فلڈرر (Diflieb Felderer) اور فرانس کے ڈاکٹر رابرٹ فرسن نے ثابت کیا کہ مذکورہ ڈائری نرا افسانہ ہے۔

* جرمن اجتماعی نظربندی کیمپوں کی تصویروں میں جو نعشوں کے ڈھیر دکھائے گئے ہیں کیا وہ جعلی تصویریں ہیں؟

* جعلی تصویریں تیار کرنا مشکل نہیں۔ لیکن اس سے بھی آسان کام یہ ہے کہ آپ کسی تصویر کے نیچے جو چاہے لکھ دیں کیونکہ تصویر خود یہ نہیں بتا سکتی کہ وہ کس کی تصویر ہے۔ نعشوں کے کسی ڈھیر کا یہ مطلب کہاں سے آ گیا کہ ان سب کو گیس سے یا جان بوجھ کر فاقے دے کر ہلاک کیا گیا تھا۔ یہ مطلب بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ ٹائفس کی وباء یا خوراک کی واقعی کمی کے سبب ہلاک ہو گئے۔ اتحادیوں کی بمباری سے مرنے والی جرمن عورتوں اور بچوں کی نعشوں کو بھی یہودیوں کی نعشیں ظاہر کیا گیا ہے۔

* "نسل کشی" کی اصطلاح کس نے جاری کیا؟

* پولینڈ کے ایک یہودی رافیل لمکن (Rapheel Lemkin) نے ایک کتاب میں جو ۱۹۴۴ء میں شائع ہوئی، پہلی دفعہ یہ اصطلاح استعمال کی۔

* کیا Holocaust اور War The Wind of دستاویزی فلمیں تھیں۔

* نہیں۔ یہ فلمیں تاریخ پر نہیں ڈرامہ نگاری کا مظہر ہیں، اصل تاریخ نہیں ہیں۔ مگر عام طور پر لوگ

ان میں دکھائے گئے مناظر حقیقی تصور کرتے ہیں۔

* ایسی کتابوں کی تعداد کیا ہو گی جن میں ہالوکاسٹ کے بارے میں اہم دعوے رد کئے گئے ہیں؟

* کم از کم ۶۰ تو ہوں گی' جبکہ مزید بھی شائع ہو رہی ہیں۔

* جب ہسٹاریکل انسٹی ٹیوٹ نے اس شخص کے لئے ۵۰ ہزار ڈالر کا انعام رکھا جو آسوچ (Auschwitz) میں یہودیوں کو گیس سے ہلاک کرنے کا ثبوت لائے تو اس کا کیا بنا؟

* ثبوت تو کوئی نہ آیا البتہ ہالوکاسٹ سے بچ رہنے والے ایک شخص نے اس بنا پر انسٹی ٹیوٹ کے خلاف ۱۷ ملین ڈالر ہرجانہ کا دعویٰ دائر کر دیا کہ انعام کی پیشکش سے اس کی نیند جاتی رہی ہے' کاروبار کو نقصان پہنچا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ "مسلمہ حقائق" کا "تکلیف دہ انداز میں انکار" کیا گیا ہے۔

* اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے کہ جو لوگ "ہالوکاسٹ" کا انکار کرتے ہیں وہ سام لوگوں کے دشمن یا نئے نازی ہیں؟

* حقائق اور دیانتدارانہ آراء سے لوگوں کی توجہ ہٹانے کا یہ ایک بہانہ ہے۔ ہالوکاسٹ کا انکار کرنے والوں میں ہر طرح کے لوگ شامل ہیں۔ ان میں ڈیموکریٹس' ری پبلیکن' لبرل' سوشلسٹ' عیسائی' یہودی وغیرہ سب اہم ہیں۔ ہالوکاسٹ کے انکار اور سام مخالفت یا نیو نازی ازم میں ہمیں تو کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ خود یہودی دانش وروں میں ایسے لوگ ہیں جو یہ مانتے ہیں کہ ہالوکاسٹ کی کہانی کمزور ہے۔

* جو تاریخ دان ہالوکاسٹ کو صحیح خیال نہیں کرتے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے؟

* ان کی شخصیت داغدار کرنے کی کوشش کی جاتی ہے' ان کی تعلیمی حیثیت متاثر کی جاتی ہے۔ مالی اور املاک کے نقصان کے علاوہ تشدد بھی ہوتا ہے۔

* انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹاریکل ریویو کو بھی اس حق گوئی کا کوئی خمیازہ بھگتنا پڑا؟

* تین تو بم حملے ہوئے۔ دو دفعہ گھیراؤ کیا گیا اور جیوش ڈیفنس لیگ کے مظاہرین اسرائیلی جھنڈا لہراتے ہوئے آئے اور موت کی دھمکیاں دیں۔ فون پر قتل کی دھمکیاں تو روز کا معمول ہے' تمام اخبارات میں مخالفانہ مواد شائع ہوتا رہا ہے۔

* آپ کے نقطہ نظر کی اشاعت اتنی کم کیوں ہے؟

* سیاسی وجوہ کی بنا پر "اسٹیبلشمنٹ" نہیں چاہتی کہ اس مسئلے پر کوئی بامعنی گفتگو ہو۔ (باقی صفحہ ۲۲ پر)

کراچی اور ڈھاکہ' مجیب اور الطاف میں مشابہت!!

(سانحہ مشرقی پاکستان کے عینی شاہد' جنرل (ر) راؤ فرمان علی کا ہفت روزہ تکبیر سے انٹرویو ' جو ۱۱ جنوری کی اشاعت میں شائع ہوا)

س : آپ کو کراچی اور ڈھاکہ یا الطاف حسین اور مجیب الرحمٰن میں کوئی مشابہت نظر آتی ہے؟

ج : مشرقی پاکستان کے آخری ایام میں بحران کی تکون کے تین کونے تھے۔ ایک آرمی' ایک عوامی لیگ اور ایک پیپلز پارٹی۔ آج کراچی کے بحران کی مثلث میں سندھ کارڈ' ایم کیو ایم اور پیپلز پارٹی تین کونے ہیں۔ دونوں بحرانوں کو حل کرنے کے لئے سیاسی افہام و تفہیم اور حقیقت پسندی کے بجائے طاقت کے استعمال کو ترجیح دی گئی۔ وہاں فوج کو استعمال کیا گیا اور یہاں پولیس' رینجرز اور دیگر مسلح قوتوں کو استعمال کیا جا رہا ہے۔ وہاں بھی ریاستی قوت عوام کے خلاف سینہ سپر تھی اور یہاں بھی ریاستی قوت عوام کے خلاف سینہ سپر ہے۔ وہاں بھی منفی اقدامات کر کے نفرتوں کو ہوا دی گئی اور یہاں بھی بے حکمتی سے کام لے کر نفرتوں کو ہوا دی جا رہی ہے۔ وہاں کے عوام نے مجیب الرحمٰن کے سر پر اپنی پسندیدگی کا تاج رکھا اور اسے بھاری اکثریت سے اپنا نمائندہ چنا' لیکن مجیب ہمیں اچھا نہیں لگتا تھا اس لئے لٹھ لے کر اس کے پیچھے پڑ گئے اور مجیب سے جان چھڑانے کے لئے ملک کا آدھا حصہ گنوا بیٹھے۔ سندھ کی شہری آبادی نے بھاری اکثریت سے الطاف حسین پر اعتماد کا اظہار کیا' لیکن الطاف کچھ لوگوں کو اچھا نہیں لگتا اس لئے وہ ریاستی قوت سے الطاف کو کچلنے اور اس کے پیروکاروں کا بھرکس نکالنے میں مصروف ہیں۔ مجیب سے ہمیں نفرت سہی' وہ بنگالیوں کا محبوب تھا۔ الطاف سے ہمیں نفرت سہی' وہ مہاجروں کا محبوب ہے۔ اگر ہم جمہوریت کا نام لیتے ہیں اور عوامی مینڈیٹ کے بل پر اونچے عہدوں پر بیٹھے ہیں تو کراچی کے لوگوں کا مینڈیٹ بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ انہیں جمہوری حقوق دینا ہوں گے۔ ملازمتوں کے دروازے ان کے لئے بھی کھولنا ہوں گے۔ کراچی میٹروپولیٹن کارپوریشن کا سربراہ سوا کروڑ باشندوں کا نمائندہ ہوتا ہے' جسے ایک کمشنر کے حکم پر باہر کر دیا گیا۔ مرکز میں انہیں انتخاب نہیں لڑنے دیا گیا۔ جب آپ ہاتھ پاؤں باندھ کر پھینک دیں گے اور بولنے بھی نہیں دیں گے تو محرومی کا احساس کوئی بھی رنگ اختیار کر سکتا ہے۔ اصولی بات یہی ہے کہ مشرقی پاکستان میں بھی جمہوریت کی نفی کی گئی اور یہاں بھی کھلے عام جمہوریت کی نفی کی جا رہی ہے۔ اس وقت بھی کچھ لوگ کہتے تھے کہ عوامی لیگ میں احتجاج اور تحریک کا حوصلہ نہیں' آج بھی بعض سورما یہ سمجھتے ہیں کہ چند انسانوں کی لاشیں گرا کر وہ امن قائم کر لیں گے۔ انہیں اندازہ نہیں کہ آج کے دور میں سوا کروڑ آبادی کے گھنے شہر میں گوریلا وار خیز کیا قیامت ڈھا سکتی ہے۔ ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ اقتصادی بدحالی نے ملکوں کا جغرافیہ بدل ڈالا ہے۔ روس کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ کراچی ہماری معیشت کا دل ہے۔ دل ہی بند ہو گیا تو خون کی سپلائی کہاں سے ہو گی۔ کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ مشرقی پاکستان تو ہم سے ایک ہزار میل پرے تھا کراچی ساتھ جڑا ہوا ہے' یہاں ہم کچھ نہیں ہونے دیں گے۔ گروزنی کی مثال آپ کے سامنے ہے' اگر ہم گروزنی بننا چاہتے ہیں تو بے شک بوریوں کا تبادلہ جاری رکھیں۔ بھارت اب بھی تاک میں ہے۔ وہ کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دے گا۔ وہ سیلون کے باشندوں کے ساتھ ہمدردی کرتے ہوئے اپنی چھاتہ بردار فوج اتار سکتا ہے' تو یہاں بھی اس حرکت کو دہرا سکتا ہے۔ جو حکومت مقامی آبادی کی ہمدردیاں کھو دے بیرونی یلغار کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ آپ بھارتی ذرائع ابلاغ کو دیکھیں اور سنیں۔ وہ کراچی اور حیدر آباد کے باشندوں کے لئے بھارتی مسلمان اور بھارتی باشندے کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ ان الفاظ میں اس کی نیت چھپی ہوئی ہے۔ ہمارے بعض سیاستداں یہ سوچتے ہیں کہ مہاجروں کو مراعات اور حقوق دینے یا ان کے مطالبات ماننے سے اندرون سندھ کے لوگ ناراض ہو جائیں گے' اسے "سندھ کارڈ" کہا جاتا ہے۔ بے نظیر بھٹو عوامی لیڈر ہیں اور پورے ملک کی نمائندگی کرتی ہیں۔ انہیں جرات مندانہ طریقہ سے حالات کا سامنا کرنا چاہئے اور سندھ کے لیڈروں کو اعتماد میں لے کر ایم کیو ایم کے جائز مطالبات مان لینا چاہئیں۔ جمہوریت کی سیڑھی لگا کر وزیر اعظم بننے والی کسی ہستی کو زیب نہیں دیتا کہ وہ دوسروں کے اس حق کو چھین لے۔ گزرتا ہوا وقت نئے زخم لگا رہا ہے اور پہلے زخم گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔ قیام پاکستان کے چوبیس سال بعد ڈھاکہ ڈوب گیا اور ڈھاکہ ڈوبنے کے چوبیس سال بعد ہم پھر ایک قومی مسئلے کو بچوں کے سے کھلنڈرے انداز میں حل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اسے بدبختی ہی کہا جا سکتا ہے۔ ○○

(بشکریہ : روزنامہ "جنگ" ۱۸ جنوری ۹۶ء)

پاکستان روز اول سے اسلامی دستور کا متلاشی ہے:

عدلیہ بھی اس کام سے کنی کتراتی ہے

امریکہ اور مغربی طاقتوں کی نظر میں نفاذ شریعت ایٹم بم سے بھی زیادہ خطرناک ہے

فیڈرل شریعت کورٹ کے سابق چیف جسٹس' معروف قانون دان جناب ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن کی ایک اہم تحریر

۱۴/اگست ۱۹۴۷ء کو آزادی تقسیم' ہند و قیام پاکستان کے ساتھ ہی پہلی دستور ساز اسمبلی پاکستان وجود میں آگئی جس کے صدر خود قائداعظم محمد علی جناحؒ تھے' یہی اسمبلی قانون ساز اسمبلی کی حیثیت سے بھی اپنے اجلاس منعقد کرتی تھی' اس سے پہلے کہ یہ اسمبلی دستور پاکستان کے سلسلہ میں کوئی نمایاں پیشرفت کرتی ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو بمقتضائے الٰہی قائداعظمؒ ہم سے جدا ہو گئے۔ مشرقی پاکستان سے دستور ساز اسمبلی کے رکن تمیز الدین خان اس کے صدر منتخب ہوئے اور نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ صدر اسمبلی کے فرائض انجام دینے لگے' آپ ہی کے دور صدارت میں دستور ساز اسمبلی میں ۷ مارچ ۱۹۴۹ء قرارداد مقاصد پیش ہوئی اور تمامتر بحث و مباحثہ کے بعد ۱۲/ مارچ ۱۹۴۹ء کو منظور ہوئی' اس قرارداد مقاصد کے ذریعہ پاکستان کے لئے دستوری سمت اور مقاصد کا تعین ہوا۔ قرارداد میں اللہ کی حاکمیت مطلقہ کے اعلان کے ساتھ ہی منتخب نمائندوں کو بطور نائب' امانت الٰہی کی سپردگی اور قرارداد میں بیان کردہ خطوط کے مطابق پاکستان کے لئے اسلامی دستور کی تشکیل کی ذمہ داری سونپی گئی۔ اس سلسلہ میں مزید پیشرفت جاری تھی کہ محلاتی سازش کے نتیجہ میں گورنر جنرل غلام محمد نے پاکستان کی اس پہلی دستور ساز اسمبلی کو ۱۹۵۳ء میں توڑ دیا اور اکتوبر ۵۴ء میں قانون ساز اسمبلی بھی توڑ دی گئی' اس عرصہ میں ملک کی نظریاتی اساس کی دیواروں میں خاصی دراڑیں پڑ چکی تھیں' بہرکیف ایک نئی دستوریہ تشکیل پائی جس کے نتیجہ میں پاکستان کا پہلا دستور منظور ہو کر ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کو نافذ ہوا لیکن اس سے پہلے کہ اس دستور کے تحت مملکت کو کام کرنے کا موقع ملتا۔ فوجی و سیاسی اقتدار پسندوں کی ملی بھگت سے ۸ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو پارلیمانی جمہوریت کی بساط ہی لپیٹ دی گئی اور ملک میں مارشل لاء نافذ ہو گیا۔ چار سال تک مملکت سر زمین "بے آئین" رہی اور ۸ جون ۱۹۶۲ء کو ایوب خان کا ذاتی پسند کی بنیاد پر تیار کرایا ہوا دستور ملک میں نافذ کر دیا گیا اور ۱۹۶۴ء میں ایوب خان بنیادی جمہوریت کے خود وضع کردہ نظام کے تحت ملک کے صدر ہو گئے لیکن ۱۹۶۸ء میں ملک کے طول و عرض میں ان کے خلاف شورش پھیل گئی جس کے نتیجہ میں ایوب خان کو فروری ۱۹۶۹ء میں عہدہ صدارت سے مستعفی ہونا پڑا لیکن جاتے جاتے وہ اقتدار خود اپنے تیار کرائے ہوئے دستور کے خلاف قومی اسمبلی کے اسپیکر کے حوالے کرنے کے بجائے کمانڈر انچیف جنرل محمد یحییٰ خان کے حوالے کر گئے کیونکہ قومی اسمبلی کے اسپیکر (عبدالجبار خان) مشرقی پاکستان کے تھے اور پاکستان مخالف عناصر (اندرونی و بیرونی) کے خیال میں ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت کسی مشرقی پاکستانی کا عہدہ صدارت پر جو ۱۹۶۲ء کے دستور کے تحت بااختیار تھا فائز ہونا موزوں نہ تھا' بہرحال ملک کو ایک بار پھر مارشل لاء کا منہ دیکھنا پڑا۔

دسمبر ۱۹۷۰ء میں عام ملکی انتخابات ہوئے طے شدہ حکمت عملی کے نتیجہ میں مشرقی پاکستان میں مجیب الرحمٰن کی عوامی لیگ اور مغربی پاکستان میں ذوالفقار علی بھٹو کی پیپلز پارٹی علیحدہ علیحدہ دو بڑی پارٹیوں کی شکل میں ابھر کر سامنے آئیں تاہم مجیب الرحمٰن کی عوامی لیگ کو مشرقی پاکستان کی جملہ پارٹیوں کی مجموعی نشستوں کے مقابلے میں قومی اسمبلی میں اکثریت حاصل تھی' اصولاً شیخ مجیب الرحمٰن کو حکومت کی سربراہی کے لئے دعوت دینا چاہئے تھی لیکن ایسا نہ ہوا فوج اور سیاسی ٹولہ کی ملی بھگت کے سبب ملک و قوم کا برا چاہنے والوں نے مشرقی پاکستان میں شورش کو دبانے کے لئے فوجی کارروائی کی جس کے نتیجہ میں ملک دولخت ہو گیا اور دسمبر ۱۹۷۱ء کے تیسرے ہفتہ میں مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا اور عوامی لیگ کی حکومت قائم ہو گئی اور یہاں مغربی پاکستان میں "نیا پاکستان" وجود میں آگیا اور پاکستان پیپلز پارٹی نے اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ ۱۹۷۲ء میں عارضی اور ۱۹۷۳ء میں ریگولر دستور منظور کیا گیا۔

مارچ ۱۹۷۷ء میں ملکی انتخابات میں کھلے عام دھاندلیوں کے نتیجہ میں ملک ایک بار پھر فساد کی زد میں آگیا اور فوج نے جس کو اقتدار کا چسکا پڑ گیا تھا ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو دستور معطل کر کے مارشل لاء نافذ کر دیا (کہا جاتا ہے کہ ایک دن پہلے سیاسی جماعتوں اور حکومت وقت کے درمیان مذاکرات کامیاب ہو گئے تھے صرف ایک نکتہ پر معاملہ حل طلب تھا) بہرکیف بعد از خرابی بسیار ۱۹۸۵ء میں عام انتخابات ہوئے اور ملک میں پارلیمانی جمہوریت پھر سے قائم ہو گئی۔ جنرل ضیاء الحق کو اپنی اس ناکامی کا اعتراف کرنا پڑا کہ وہ ملک کو اسلامی نظام حکومت نہ دے سکے۔

۳۰ دسمبر ۱۹۸۵ء کو متعدد ترمیمات کے ساتھ دستور پاکستان کا احیاء عمل میں آیا اور ملک سے مارشل لاء رخصت ہوا' ان ترامیم کی زیادہ تر حیثیت سیاسی تھی لیکن دو ترامیم براہ راست اسلامی نظام سے متعلق تھیں ایک منفی' دوسری مثبت' منفی یہ کہ وفاقی شرعی عدالت کو سود کے بارے میں رائج الوقت قوانین کو قرآن و سنت کی روشنی میں جائزہ لینے سے مزید پانچ سال کے لئے روک دیا گیا اور مثبت یہ کہ قرارداد

مقاصد کو جو سابقہ دساتیر اور خود ۱۹۷۳ء میں صرف بطور دیباچہ شامل تھی اب اس قرار داد میں بیان کردہ اصول اور ضوابط خود دستور کا حصہ بن گئے۔ دستور میں ایک نئی دفعہ ۲ الف کا اضافہ کیا گیا جس کا متن حسب ذیل ہے۔

Article 2A. The principles and provisions set out in the Objectives Resolution reproduced in the Annex are hereby made substantive part of the Constitution and shall have effect accordingly.

یعنی قرار داد مقاصد میں مروجہ اصول و ضوابط دستور کا مستقل بالذات حصہ بنائے جاتے ہیں لہٰذا یہ (اصول و ضوابط) موثر ہوں گے۔

آرٹیکل ۲ الف کے بارے میں ملک کی مختلف عدالت ہائے عالیہ نے اظہار خیال کیا۔ ۱۹۸۷ء اور ۱۹۹۱ء کے دوران عدالت عالیہ سندھ نے اپنے بعض فیصلوں کی رو سے یہ قرار دیا کہ ہر وہ قانون جو آرٹیکل ۲ الف کے تحت قرار داد مقاصد میں بیان کردہ اصولوں اور ضابطوں کے خلاف ہے کالعدم ہے جبکہ عدالت عالیہ سندھ ہی کے چند دیگر فیصلوں میں زور دیا گیا کہ آرٹیکل ۲ الف قوت نافذہ سے محروم ہے اور یہ از خود متحرک نہیں ہے چنانچہ اس کی بنیاد پر دستور یا قانون کی کوئی دفعہ آرٹیکل ۲ الف سے متصادم ہونے کے باوجود کالعدم قرار نہیں دی جا سکتی۔ سپریم کورٹ میں متعدد مقدمات میں آرٹیکل ۲ الف کو بطور دلیل پیش کیا گیا لیکن فاضل عدالت نے مقدمہ کو کسی دوسرے نکتہ پر نمٹایا اور آرٹیکل ۲ الف کے بارے میں "عقل و دانش" کے مزید اکٹھا ہونے کا انتظار مناسب سمجھا' خود عدالت عظمیٰ کے اپنے الفاظ یہ ہیں Let More wisdom be collected اتفاق وقت سے ایک مقدمہ سپریم کورٹ کے روبرو ایسا پیش ہوا کہ جس میں براہ راست آرٹیکل ۲ الف کے اثر قانونی کا سوال درپیش تھا وہ یہ کہ لاہور ہائیکورٹ کے ایک اجلاس کاملہ نے مقدمہ سکینہ بیگم بنام فیڈریشن آف پاکستان (پی ٹی ۱۹۹۲ء لاہور ص ۹۹) میں سندھ ہائیکورٹ کے بعض فیصلوں کی روشنی میں یہ قرار دیا کہ دستور کی آرٹیکل ۴۵ جو صدر مملکت کو یہ اختیار دیتی ہے کہ وہ کسی بھی مجرم کی کسی بھی سزا کو معاف کر سکتا ہے یا کمی کر سکتا ہے آرٹیکل ۲ الف کے خلاف ہے اس لئے آرٹیکل ۴۵ غیر موثر ہے چنانچہ صدر سزا میں کمی یا معاف نہیں کر سکتا جبکہ جرم قابل حدوقصاص ہو مثلاً قتل کے مقدمہ میں جس میں قصاص کے طور پر سزا دی گئی ہو اس میں صدر کو معاف کرنے یا سزائے موت کو سزائے حبس دوام میں تبدیل کرنے کا اختیار نہیں ہے (قارئین کو یاد ہو گا بینظیر بھٹو صاحبہ نے اپنی وزارت عظمیٰ کے دور میں ۹۰-۱۹۸۸ء (دور اول) تقریباً ۱۷ سو مجرموں کی سزاؤں میں ردوبدل کیا تھا اور اپنی سفارش کے ساتھ معاملات صدر مملکت کی خدمت میں پیش کئے تھے چنانچہ صدر نے ایک فرمان کے ذریعہ سفارشات کو قانونی شکل دی تھی)

سکینہ بیگم کے مقدمہ میں دیئے گئے فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی گئی چنانچہ عدالت عظمیٰ نے عدالت عالیہ لاہور کا فیصلہ منسوخ کرتے ہوئے قرار دیا کہ عدالت آرٹیکل ۲ الف کی بنیاد پر دستور کی کسی دفعہ کو منسوخ نہیں کر سکتی یہ کام مقننہ کا ہے اگر وہ دستور کی دفعہ ۴۵ کو آرٹیکل ۲ الف سے متصادم پائے تو متعلقہ دفعہ میں ترمیم یا تنسیخ کے عمل سے اس تناقض کو دور کر سکتی ہے۔ فاضل عدالت نے اپنے اس فیصلہ کی تائید میں مختلف دلائل کا سہارا لیا ہے لیکن خاص بات یہ ہے عدالت عظمیٰ نے اس امر کا جائزہ لینے سے گریز کیا کہ آیا دستور کی دفعہ ۴۵ آرٹیکل ۲ الف سے متصادم ہے یا نہیں.....؟ جسٹس ہولان اسٹون نے سچ ہی کہا تھا کہ عدالتی اختیار کے استعمال میں صرف ایک ہی رکاوٹ ہوتی ہے اور وہ "جج صاحبان کا اپنا ذاتی گریز اور اجتناب"۔ خبر نہیں کن مصلحتوں کے سایہ میں سپریم کورٹ نے ایسا کرنا مناسب خیال کیا شاید اس لئے دونوں دفعات کے باہمی تناقض اور تصادم کا جائزہ لینے سے تصادم واضح ہونے کی صورت میں دونوں دفعات کی بیک وقت دستور میں موجودگی مشکلات کا باعث ہوتی جیسا کہ سپریم کورٹ نے اپنے اس فیصلہ میں خود لکھا ہے کہ اگر آرٹیکل ۲ الف کو موثر قرار دیدیا جائے یعنی دستور کو قرآن و سنت کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو کم و بیش پورا دستور چیلنج ہو جائے گا اور تمام دستور کو از سر نو مرتب کرنا پڑے گا۔ (واضح رہے کہ وفاقی شرعی عدالت کو دستور کے قرآن و سنت کی روشنی میں جائزہ لینے سے روز اول سے ازروئے دستور باز رکھا گیا ہے اور اب سپریم کورٹ نے "اسلامائزیشن بذریعہ عدالت" سے دستبردار ہونے کا اعلان کر دیا حالانکہ اس سے قبل نصرت بھٹو کیس ۱۹۷۷ء میں نظریہ ضرورت کے تحت بانداز خسروانہ ایک فرد واحد کو دستور میں ترمیم کرنے کا غیر مشروط اختیار عطا فرمایا تھا اور چند سال قبل قزلباش وقف کیس ۱۹۸۹ء میں وفاقی شرعی عدالت کے فیصلہ کے خلاف اپیل منظور کرتے ہوئے سپریم کورٹ (شریعت اپیلیٹ بنچ) نے ۱۹۷۲ء اور ۱۹۷۷ء کی زرعی اصلاحات کو جن کے تحت اراضی کے ملکیتی حد مقرر کی گئی تھی اسلام کے منافی قرار دیتے ہوئے یہ تسلیم کیا کہ اس فیصلہ کے نتیجہ میں آرٹیکل ۲۵۳ متاثر ہو گا اور اس طرح ملک میں جاگیردارانہ نظام کو دوام حاصل ہو گیا۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

بات دراصل یہ ہے کہ ہماری عدلیہ (بحیثیت مجموعی)

"ایوب خان جاتے جاتے اقتدار خود اپنے تیار کرائے ہوئے دستور کے خلاف قومی اسمبلی کے اسپیکر کے حوالے کرنے کے بجائے کمانڈر انچیف جنرل محمد یحییٰ خان کے حوالے کر گئے کیونکہ قومی اسمبلی کے اسپیکر (عبدالجبار خان) مشرقی پاکستان کے تھے"

جس کی تعلیم و تربیت مغربی قانون کے تحت ہوئی ہے اور پیپلز پارٹی جو بنیادی طور پر سیکولرزم کی حامی ہے ابھی تک اسلامائزیشن بذریعہ عدالت کے عمل سے مکمل ذہنی ہم آہنگی کا مظاہرہ کرنے میں ناکام رہی ہے' ہماری مقننہ کا جو حال ہے وہ "عیاں راچہ بیاں" کے مصداق کسی تشریح کا محتاج نہیں اور اب تو عدالتی ذریعہ سے اسلامائزیشن کا عمل کئی سال سے رکا ہوا ہے اور ہمارے "ایٹمی پروگرام" کی طرح منجمد ہے شاید اس لئے کہ امریکہ اور مغربی طاقتوں کی نظر میں "نفاذ شریعت" یعنی نفاذ اسلام کسی ایٹم بم سے کم نہیں۔OO

بقیہ : ایڈیٹر کا ڈیسک

جہاں تک دہشت گردی اور لاقانونیت کے مسئلے کا تعلق ہے' یہ سراسر حکومتی مسئلہ ہے' حکومت بدعنوان اور نااہل ہو گی تو لوگ قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کریں گے' خواہ وہ اسلامی حکومت ہو یا سیکولر' اسے اسلام کے ساتھ مخصوص کرنا پرلے درجے کی بددیانتی ہی نہیں' حماقت ہے۔OO

مسلم ممالک میں قاہرہ کانفرنس کے ایجنڈے پر عمل درآمد کا آغاز.... لمحہ فکریہ !

ایڈز سے آگہی کے نام پر فحاشی و عریانی کو فروغ دیا جارہا ہے !

سینٹ اور قومی اسمبلی کے رکن علماء کا اس مسئلے پر توجہ نہ دینا ناقابلِ فہم ہے !

محمد سمیع

قاہرہ کانفرنس میں مسلم ممالک میں جنسی تعلیم کو اسکول کی سطح پر رائج کرنے اور کنڈوم کلچر کو مسلم ممالک میں عام کرنے کا جو فیصلہ ہوا تھا اس پر عملدرآمد کا آغاز ہو چکا ہے۔ گزشتہ دنوں جب AIDS DAY کے حوالے سے لڑکیوں کے اسکولوں میں قابل اعتراض لٹریچر کی تقسیم ہوئی اور لیکچرز دیئے گئے تو راقم نے اس سلسلے کے ایک ہینڈبل کی نقول ان علماء کو روانہ کیں جو یا تو سینیٹ اور قومی اسمبلی کے رکن ہیں یا کسی بھی حوالے سے ایوان اقتدار کی راہداریوں میں ان کی رسائی ہے تاکہ وہ اس کے خلاف احتجاج نوٹ کروا سکیں لیکن بدقسمتی سے کسی عالم دین نے راقم کے خط کا جواب نہ دیا' اس پر ان کی طرف سے کسی احتجاج کی کوئی خبر بھی کسی اخبار کے ذریعہ راقم کو نہیں پہنچی۔ اس کے دو وجوہ ہو سکتے ہیں۔ یا تو انہوں نے اس خط کو قابل اعتناء ہی نہ سمجھا ہو' یا پھر یہ خطوط درمیان سے ہی غائب کر دیئے گئے ہوں۔ مسلمانوں کو چونکہ آپس میں بدگمانی سے اجتناب کی تعلیم دی گئی ہے لہٰذا راقم دوسری وجہ ہی کو ترجیح دینے پر مجبور ہے۔ ہمارے ملک میں تو ابھی اس فتنہ کا آغاز ہی ہوا ہے اور ضروری ہے کہ اسے آغاز پر ہی ختم کرنے کی جدوجہد کی جائے' البتہ دوسرے ممالک میں حالات اس سے آگے بڑھ چکے ہیں۔ اس کی ایک جھلک رابطہ عالم اسلامی کے جریدے مسلم ورلڈ میں نظر آئی ہے جو میں یہاں نقل کر رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارے علماء کرام اس واقعے کو پڑھنے کے بعد پاکستان میں اس قسم کے ممکنہ واقعات کے سدباب پر سنجیدگی سے غور فرمائیں گے۔

"انڈونیشیا میں AIDS سے آگہی کی مہم چلانے والوں نے پہلی دسمبر کو کتابچے اور CONDOMS تقسیم کئے جبکہ مسلمان قائدین نے کنڈوم کے بارے میں تحریری مواد کی مذمت کی اور شہر کی مسجد استقلال نے حکومت کی اس اپیل کو نظرانداز کیا جس میں اس نے خطابات جمعہ میں ایڈز کے بارے میں تعلیم کو شامل کرنے کے لئے کی تھی۔ غیر سرکاری گروہوں نے کتابچے' کنڈوم اور ایسے ٹی شرٹ تقسیم کئے جن پر لکھا تھا "ہوشیار کنڈوم ضروری ہے"۔ یہ اشیاء انہوں نے طوائفوں اور ان کے گاہکوں میں KARMAT TUNGGAK میں تقسیم کیں۔ گواہی دینے والوں نے یہ بات بتائی۔ یہ اقدام اس میٹنگ کے دوسرے روز کیا گیا جو انڈونیشین کونسل آف علماء (MUI) نے ACQUIRED IMMUNE DEFFICIENCY SYNDROME کے موضوع پر بلائی تھی۔ اس اجتماع نے جو ملک کی سب سے اعلیٰ علمی اتھارٹی ہے' ANTI-AIDS مہم کے دوران کنڈوم کی منت تقسیم پر اعتراض کیا۔ جکارتہ کے روزنامہ "THE PIKIRAN RAKYAT" نے اس خبر کو شائع کیا۔ بینڈ رنگ میں علماء کے ایک اجتماع نے ایک بیان میں مسلمانوں سے "گناہ کے اس عمل" سے احتراز کے لئے کہا جس سے ایڈز کے پھیلنے کا خطرہ ہو۔ انہوں نے ایڈز کے مریضوں کا علاج انسانی وقار کے ساتھ کرنے پر زور دیا اور اس بیماری کے خطرات سے

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

پاکستان اور بھارت کا بھلا کس میں ہے؟

مسلم لیگ میں شاید ہی ایسا کوئی شخص ہو گا جس نے آزادی کی جنگ لڑی ہو' نہ انہوں نے کوئی قربانی دی اور نہ جدوجہد کے لئے درکار نظم سے ان کا واسطہ رہا۔ وہ یا تو ریٹائرڈ سرکاری اہلکار تھے یا برطانیہ کی سرپرستی میں پروان چڑھنے والے سرکاری درباری لوگ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب نیا ملک وجود میں آیا تو جو لوگ حکمران بنے ان میں سے اکثر خود غرض تھے۔ اس نوزائیدہ مملکت کو جو لیڈر میسر آئے وہ یو۔پی' بہار اور بمبئی سے آئے تھے' جنہیں مقامی لوگوں کی زبان تک بولنا نہیں آتی تھی۔ چونکہ انہیں خطرہ تھا کہ اگر الیکشن ہوئے تو ان کی حکمرانی جاتی رہے گی۔ لہٰذا انہوں نے الیکشن کو التواء میں ڈال کر سارا زور دولت جمع کرنے اور اپنی طاقت بنانے پر صرف کئے رکھا۔ دس سال گزرنے کے بعد اب کہیں خدا خدا کر کے دستور بننے کی نوبت آئی ہے لیکن کون جانے کہ اس نئے دستور کے تحت کب پہلے انتخابات عمل میں آئیں گے۔

تاہم جو ہونا تھا ہو چکا۔ پاکستان اب ایک حقیقت بن چکا ہے لہٰذا بھارت اور پاکستان دونوں کا مفاد اس میں ہے کہ آپس میں دوستانہ مراسم پیدا کرنے کی کوشش کریں اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کی راہ اختیار کریں۔ اس کے علاوہ جو بھی راستہ ہو گا وہ دونوں ممالک کے مصائب' تکالیف اور محرومیوں میں اضافے کا باعث ہی ہو گا۔ (مولانا آزاد' انڈیا ونز فریڈم ۱۹۵۸ء)

بلد الامین میں چند روز امیر محترم کے ساتھ !

سعودی عرب کی تربیت گاہ انتہائی مفید رہی

رفقاء نے ایثار و قربانی اور اخوت و محبت کا بھرپور مظاہرہ کیا

سعودی عرب کی اس تربیت گاہ کو خلیجی ممالک کا علاقائی اجتماع قرار دیا جاسکتا ہے !

مرتب : عبدالرحمٰن رفیع

متحدہ عرب امارات کے رفقاء پر مشتمل قافلہ کی روداد سفر جنہوں نے امیر محترم کے ساتھ عمرہ کی سعادت حاصل کی

خلیجی ریاستوں میں سال کا بیشتر حصہ شدت کی گرمی ہوتی ہے لیکن آخر میں موسم خوشگوار اور قدرے سرد ہو جاتا ہے۔ یہاں کے رہنے والے مقامی اور غیر مقامی باشندے ان مہینوں میں اکثر عمرہ و زیارت کے لئے سفر کا پروگرام بناتے ہیں۔ چنانچہ دسمبر کے اوائل میں ابو ظہبی تنظیم کے رفقاء نے اجتماعی طور پر بذریعہ روڈ عمرہ و زیارت کا پروگرام بنایا۔ خوش قسمتی سے اسی ماہ امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی بھی عمرہ کے لئے آمد متوقع تھی۔ لہٰذا رفقاء و احباب نے اس سفر میں شرکت کے لئے خوب جوش و خروش سے حصہ لیا کہ یہ "ہم خرما و ہم ثواب" والا معاملہ تھا۔ عمرہ کی ادائیگی 'مسجد نبوی' میں نمازوں کا ثواب اور روضہ اطہر پر حاضری کی سعادت کے ساتھ ساتھ امیر محترم کی معیت و صحبت بھی میسر ہونے والی تھی۔

اس قافلہ میں ابو ظہبی سے تقریباً ۱۶ رفقاء اور ۴ احباب اور شارجہ سے دو رفیق شامل تھے جبکہ ایک رفیق العین سے مع اپنے اہل و عیال اپنی کار میں قافلہ کے ہمراہ تھے۔ اس کے علاوہ ابو ظہبی کے دو رفیق اپنے اپنے اہل خانہ کے ساتھ ایک دن قبل اپنی اپنی کاروں میں عازم حجاز ہو چکے تھے۔

روانگی سے قبل امیر تنظیم ابو ظہبی فاروق احمد حافظ صاحب نے زائرین عمرہ سے خطاب کیا اور انہیں ہدایات دیں۔ جناب مشتاق حسین صاحب کو امیر قافلہ مقرر فرمایا گیا۔ اس کے علاوہ دیگر چند رفقاء کو ذمہ داریاں دیں' طعام و سفر میں سہولیات بہم پہنچانے کی ذمہ داری محمد حسن انجم صاحب کو سونپی گئی تھی' جو انہوں نے بہت ہی خوش اسلوبی اور محنت سے انجام دی۔ جس کا اعتراف بعد میں تمام رفقاء سفر نے کیا۔

> **"رفقاء نے امیر محترم کے ہاتھ پر اپنی بیعت کی تجدید کی۔ یہ منظر بھی دیدنی تھا' امیر محترم اور رفقاء کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ بیعت کے الفاظ دہراتے ہوئے رفقاء کے ہونٹ کپکپا رہے تھے' جسموں پر سنسنی اور لرزہ طاری تھا بعض رفقاء کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں"**

انجم صاحب کی معاونت خالد انصاری صاحب نے کی۔

۶ دسمبر کی شام کو تقریباً ۵ بجے یہ قافلہ ابو ظہبی سے روانہ ہوا۔ امیر تنظیم ابو ظہبی اپنے دیگر رفقاء کے ہمراہ شہر کی حدود تک قافلہ کے ہمراہ اپنی کار میں گئے اور یہاں پہنچ کر "ضیوف الرحمٰن" کو الوداع کیا۔

راستہ کا سفر تلاوت قرآن مجید' دروس قرآن کے کیسٹس اور اذکار مسنونہ دعائے ماثورہ پر مشتمل امیر قافلہ اور حسن انجم صاحب کی مختصر مگر جامع گفتگو سنتے ہوئے گزرا۔ اس قافلہ کی پہلی منزل مدینہ منورہ تھی۔ مسلسل سفر کے بعد اگلے دن رات گیارہ بجے مدینہ منورہ پہنچے چونکہ اس وقت تک مسجد نبوی ؐ کے دروازے بند ہو چکے تھے لہٰذا رہائش کا بندوبست کر کے سامان وغیرہ اتارا اور کچھ دیر آرام کیا۔ تہجد کی اذان سے قبل ہی اکثر رفقاء مسجد نبوی ؐ پہنچ گئے اور دروازے کھلے ہی مسجد میں داخل ہو گئے تحیۃ المسجد اور نوافل ادا کرنے کے بعد روضہ مبارک پر حاضری دی اور درود و سلام پیش کیا۔

امیر محترم بھی مسجد نبوی ؐ میں حاضر تھے چنانچہ رفقاء کی امیر محترم سے پہلی ملاقات مسجد نبوی ؐ صفہ کے چبوترے پر ہوئی۔ مصافحے اور معانقے ہوئے۔ امیر محترم نے ہر رفیق سے خیریت دریافت فرمائی اور آئندہ کا پروگرام طے کیا۔

یہ جمعۃ المبارک کا دن تھا لہٰذا نماز جمعہ مسجد نبوی ؐ میں ادا کی گئی۔ رفقاء اپنی انفرادی عبادت اور ذکر اذکار میں مصروف رہے۔ امیر محترم سے اب ملاقات اگلے روز مکہ المکرمہ میں ہونا طے تھی اور امیر محترم کی امارت میں عمرہ ادا کرنا تھا۔ ہفتہ کی صبح رفقاء نے مکہ معظمہ روانگی سے قبل زیارتوں کا پروگرام بنایا۔ جس کے باعث روانگی میں کچھ تاخیر ہو گئی' اور دیر سے مکہ پہنچے۔ امیر محترم مکہ مکرمہ میں رفقاء کا انتظار فرماتے رہے اور رات ۹ بجے کے قریب ہمارا قافلہ مکہ شہر میں داخل ہوا۔ رہائش گاہ کا مقامی رفقاء نے پہلے سے انتظام کیا ہوا تھا اسے تلاش کرنے میں کافی وقت لگا۔ رات ایک بجے کھانا کھایا گیا اور صبح فجر سے قبل ۴

بجے امیر محترم کی قیادت میں عمرہ ادا کیا۔ پروگرام کے مطابق رفقاء نے طواف بیت اللہ شریف و سعی کی اور سر کے بال منڈائے۔ فجر کی نماز کے بعد امیر محترم نے مکہ المکرمہ میں چند دن قیام کا پروگرام ترتیب دیا۔

ایک عمارت میں چند کمرے کرائے پر لئے گئے۔ تمام رفقاء اس میں منتقل ہو گئے چونکہ یہ عمارت حرم شریف سے ذرا فاصلہ پر تھی اس لئے قافلہ کے احباب نے اس میں رہائش پذیر ہونے سے معذرت کی۔ امیر قافلہ مشتاق حسین صاحب نے ان کی معذرت قبول کر لی۔

امیر محترم کے ساتھ پاکستان سے بھی چند رفقاء آئے ہوئے تھے۔ سعودیہ کے مختلف شہروں سے بھی رفقاء تشریف فرما لائے تھے۔ اور جوش و خروش سے میزبانی کے فرائض انجام دے رہے تھے' اور دوسروں کو زیادہ سے زیادہ آرام پہنچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک لحاظ سے یہ خلیج کا منی علاقائی اجتماع ہو گیا۔

امیر محترم کے ہمراہ ان کی اہلیہ محترمہ اور تنظیم اسلامی کے بزرگ رفیق سراج الحق سید صاحب بھی تھے چنانچہ امیر محترم کے خطابات اور سوال و جواب کی نشستوں کے علاوہ محترم سید صاحب کے لیکچرز بھی ہوئے' جو رفقاء کے لئے بہت ہی مفید اور کار آمد ثابت ہوں گے۔ آپ کے لیکچرز کا انداز بہت ہی منفرد اور دلچسپ ہوتا ہے' جس میں سامع ذوق و شوق کے ساتھ لیکچر نہ صرف سنتا ہے بلکہ عملی طور پر اس میں شریک رہتا ہے۔ یہ پروگرام اجتماعی مذاکرہ (Group Discission) کی طرز کا ہوتا ہے۔ جس میں سامعین کی شروع سے آخر تک توجہ اور دلچسپی برقرار رہتی ہے۔ ان نشستوں میں "منہج انقلاب نبوی ﷺ" کا مطالعہ کرایا گیا' جس میں رفقاء نے بھرپور دلچسپی کا مظاہرہ کیا اور اس طرز تدریس کو سراہا۔

دوران قیام مکہ المکرمہ ان تربیتی نشستوں کے علاوہ بیت اللہ شریف کے طواف بھی ہوئے اور اس خاص مقام کی زیارت بھی کی جہاں حضور اکرم ﷺ نے مدینہ سے آئے ہوئے ۶ اشخاص سے بیعت لی تھی اور پھر اگلے سال اسی مقام پر ۷۲ مرد اور تین خواتین نے آپ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔ جسے تاریخ میں بالترتیب بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانی کہتے ہیں۔ اس تاریخی مقام پر رفقاء نے امیر محترم سے فرمائش کی کہ ہم اس مقام پر آپ سے بیعت کی تجدید کرنا چاہتے ہیں۔ امیر محترم نے ایک مختصر خطاب فرمایا اور پھر رفقاء نے امیر محترم کے ہاتھ پر اپنی بیعت کی تجدید کی۔ یہ منظر بھی دیدنی تھا' امیر محترم اور رفقاء کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ بیعت کے الفاظ دہراتے ہوئے رفقاء کے ہونٹ کپکپا رہے تھے' جسموں پر سنسنی اور لرزہ طاری تھا بعض رفقاء کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

تجدید بیعت کے بعد رفقاء کے لئے چائے اور ہلکے سے ناشے کا انتظام کیا گیا تھا۔ دوران چائے ہلکی پھلکی گفتگو ہوتی رہی۔ ایک رفیق نے کہا بیعت عقبہ ثانی کے موقع پر مردوں کے ساتھ تین خواتین بھی تھیں' ہمارے ساتھ بھی تین خواتین موجود ہیں۔ امیر محترم نے فرمایا کہ اس وقت مردوں کی تعداد ۷۲ تھی یہاں ابھی ان کی نصف تعداد ۳۶ تو ہو گی۔ حاضرین رفقاء کی گنتی کی گئی تو وہ ۳۶ ہی نکلی۔

اس کے بعد دیگر مقامات کی زیارت کی اور حرم شریف میں طواف کرتے ہوئے اپنے مستقر پر واپس پہنچ گئے۔ رات ۹ بجے سے گیارہ بجے تک محترم سراج الحق سید صاحب نے لیکچر دیا۔ آج کا موضوع تھا کہ "آپ دعوت کو کیسے پھیلا سکتے ہیں"۔

جمعرات ۱۴ دسمبر: تربیتی نشست کا آخری دن تھا۔ "منہج انقلاب نبوی ﷺ" کا مطالعہ ہوا' یہ نشست صبح ساڑھے سات بجے سے شروع ہو کر گیارہ بجے دوپہر اختتام پذیر ہوئی۔

بعد نماز ظہر امیر محترم نے الوداعی خطاب فرمایا۔ اس روح پرور خطاب کے بعد رفقاء کا باہمی تعارف ہوا۔ الریاض سے آئے ہوئے ایک رفیق غلام رسول بھٹی صاحب نے خلافت کے عنوان پر اپنی ایک نظم مترنم آواز میں سنائی جسے حاضرین نے پسند کیا اور خوب داد دی۔ اس نشست میں رفقاء نے امیر محترم سے سوالات بھی کئے۔ الریاض سے آئے ہوئے رفقاء میں سے چند رفقاء جنہوں نے امیر محترم سے ابھی تک بیعت نہیں کی تھی اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بیعت کی۔ پھر یہ مجلس امیر محترم کی پراثر دعا پر برخاست ہوئی۔

۱۵ دسمبر: نماز جمعہ کی حرم شریف میں ادائیگی اور طواف وداع کے بعد ابو نملی کے رفقاء اپنی رہائش پر جمع ہوئے اور سامان و اسباب سمیٹا اور روانگی کی تیاری شروع کی۔ امیر محترم بھی وہیں موجود تھے۔ امیر محترم نے رفقاء سے الوداعی ملاقات کی۔ رفقاء نے نمناک آنکھوں سے رخصت کی اجازت طلب کی۔

شام ۵ بجے ابو نملی کا قافلہ مکہ مکرمہ سے روانہ ہوا۔ نائب امیر تنظیم اسلامی محترم جناب ڈاکٹر عبدالخالق صاحب نے اس قافلہ کو رخصت کیا۔ قافلہ کے روانہ ہوتے ہی ابر رحمت نے فضا کو ڈھانپ لیا اور مینہ برسنے لگا۔ رفقاء اس رحمت باراں سے محظوظ اور شاداں و فرحاں ہونے لگے۔ بس اپنی پہلی منزل طائف کی طرف رواں دواں تھی۔ طائف میں دو گھنٹہ قیام کے بعد زائرین حرم کا قافلہ پھر روانہ ہوا اور مسلسل سفر کرتے ہوئے اگلے دن یعنی ۱۶ دسمبر رات گیارہ بجے ابو نملی پہنچا جہاں منتظر رفقاء نے والہانہ استقبال کیا۔

یہ سفر بہت خوشگوار اور یادگار رہا جہاں اجر و ثواب اور خیر و برکت کا ذریعہ بنے گا وہاں رفقاء کے آپس میں ایک دوسرے کے مزید قریب ہونے اور باہمی محبت و اخوت میں اضافہ کا باعث بنا۔ اس سفر کے دوران ایک حادثہ بھی پیش آیا لیکن اللہ تعالیٰ نے کسی بڑے نقصان سے بچا لیا۔ ہوا یوں کہ واپسی سفر کے دوران بس کے اوپر رکھے سامان میں سے کوئی چیز نیچے سڑک پر گری' ڈرائیور نے اسے شیشے میں سے دیکھا اور بس کو روکنے کے لئے بریک لگائی اور بتایا کہ اوپر سے کوئی سامان نیچے گر گیا ہے۔ دروازے کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھے ہوئے رفیق اپنی نشست سے اٹھے اور بس کا دروازہ کھول کر نیچے اترنے لگے۔ بس پوری طرح رکی نہیں تھی۔ وہ سمجھے کہ بس رک چکی ہے۔ اترتے وقت ان کا رخ بھی بس کی مخالف سمت میں تھا چنانچہ سڑک پر قدم رکھتے ہی سر کے بل پشت کی جانب گر گئے۔ ڈرائیور نے کمال ہوشیار سے بریک لگایا ورنہ بس کے پچھلے پہیہ میں ان کی دو ٹانگیں آجاتیں۔ اللہ تعالیٰ نے بہت کرم و فضل فرمایا کہ ایک بڑے حادثہ سے بچا لیا۔ صرف سر پر معمولی سی چوٹ آئی اور جسم میں جھٹکا آیا۔ قریبی اسپتال میں ان کی مرہم پٹی کرا دی گئی۔ الحمدللہ وہ خیریت سے ہیں اور اپنی معمول کی زندگی گزار رہے ہیں۔

اس روداد میں اگر مکہ المکرمہ میں مقیم رفقاء کا ذکر نہ کیا جائے تو یہ ہماری ناسپاسی ہو گی کہ جنہوں نے قیام و طعام میں اور ہر طرح سے ہمیں آرام و سہولت پہنچانے کا بندوبست کیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس خدمت کا اپنے خزانہ رحمت سے بہترین اجر فرمائے۔ (آمین) سعودیہ کے مختلف شہروں سے جہاں سے یہ قافلہ گزرا مقامی رفقاء نے طعام و قیام کی مخلصانہ پیشکش کی۔ لیکن وقت کی کمی کے باعث ان پر خلوص دعوتوں کو ہم قبول نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ انہیں بھی ان کی نیتوں کا اجر و ثواب عطا فرمائے۔ آمین○○

ضرورت ہے فائر بریگیڈ کی؟

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے!

کیا اسلامی یونیورسٹیاں دہشت گرد پیدا کر رہی ہیں؟

وزیر داخلہ کا بیان خطرے سے خالی نہیں ہے!

دہشت گردی اور بنیاد پرستی میں فرق کرنا ضروری ہے

خادم حسین' ابو نبلی

جو لوگ کسی بھی قسم کی خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں' ان کے لئے فطری طور پر اصلاح کے راستے بند ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جو قوم اپنی شکست بھول جاتی ہے۔ اسے زمانہ بھی بھول جاتا ہے' اور جو قوم اپنے دشمن سے نظریں پھیر لیتی ہے' وہ ایک روز اسی دشمن کی غلام بن جایا کرتی ہے۔

امت مسلمہ کے اہل نظر نے صادق و مصدوق علیہ الصلوۃ والسلام کے فرمان کو صد فی صد درست پایا۔ "کہ میری امت پر وہ تمام حالات و واقعات لازماً آ کر رہیں گے جو بنی اسرائیل پر آئے تھے۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک جوتی دوسری جوتی کے مشابہ ہوتی ہے"۔ سابقہ امت مسلمہ کے ان حالات کا تذکرہ قرآن پاک میں سورۃ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں موجود ہے۔ چنانچہ بعینہ موجودہ امت مسلمہ دو عروج اور دو زوال سے دوچار ہونے کے بعد اب پھر دوراہے پر کھڑی ہے۔ ایک طرف "عسی ربکم ان یرحمکم" کی امید ہے تو دوسری طرف "وان عدتم عدنا"؟ کی وعید بھی ہے۔ اب فیصلہ "ان ھذا القران یھدی للتی ھی اقوم" پر ہو گا جس کی وضاحت علامہ اقبالؒ نے یوں کی ہے۔

گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

یہی نعرہ مستانہ مولانا آزاد مرحوم نے اس صدی کے آغاز میں الہلال اور البلاغ کے ذریعے لگایا تھا۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ دیوبندی (اسیر مالٹا) کے زندگی بھر کے فکر کا حاصل "کہ میں نے جہاں تک غور کیا ہے مسلمانوں کی پستی کا سبب قرآن سے اعراض اور فرقہ واریت کو پایا ہے"۔ گویا بقول اقبال ع

علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی

تاریخ ہندو پاک کے مطالعے سے مسلمانوں کے دور عروج کا جو نقشہ سامنے آتا ہے' اس میں بڑی بڑی شاہی مسجدیں' شاہراہیں' شاہی قلعے' عظیم محلات' تالاب' سیر گاہیں اور باغات دیکھنے میں آتے ہیں۔ لیکن کوئی اسلامی یونیورسٹی دور دور تک نظر نہیں آتی۔ کیا یہ بات باعث تعجب نہیں ہے! عوامی سطح پر خال خال اللہ کے بندے انفرادی حیثیت میں اسلام کی دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے رہے' جن کی مساعی جمیلہ ہماری تاریخ کا حصہ ہیں۔ وہ حضرت علی ہجویری ہوں یا خواجہ معین الدین چشتی' بابا فرید گنج شکر ہوں یا نظام الدین اولیاء' حضرت شاہ ولی اللہ ہوں یا سید احمد بریلوی رحمہ اللہ' ان حضرات اور ان جیسے فرزندان اسلام نے جہاں ایمان کی شمعیں روشن کیں' وہیں جعفر از بنگال اور صادق از دکن جیسے لوگ بھی پیدا ہوئے گویا بقول اقبال۔

ستیزہ کار' رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بو لہبی

ہندوستان کو انگریز کی غلامی سے نجات ملی اور پاکستان دنیا کے نقشے پر ایک عظیم نعرے کے ساتھ مملکت اسلامی کی حیثیت سے وجود میں آیا۔ پچاس سالہ (قمری حساب سے) پاکستان کی تاریخ نے جو نشیب و فراز نقش کئے' ان میں سرفہرست مشرقی پاکستان کی علیحدگی ہے جو اس عظیم نعرے یعنی پاکستان کا مطلب کیا' لا الہ الا اللہ سے اعراض کا نتیجہ ہے۔ اہل پاکستان نے اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے وعدے کو جب پورا نہ کیا۔ تو اس وعدہ خلافی کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ان میں نفاق پیدا کر دیا' اور کئی میر جعفر اور صادق پچاس سالہ تاریخ میں پیدا ہو گئے۔ کچھ کا ذکر "سیاست کے فرعون" نامی کتاب میں موجود ہے۔ گویا ہماری حالت "اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے" اور "جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے"۔ کا مصداق ہو گئی!

اللہ اللہ کر کے اسلام آباد میں ایک اسلامی یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا۔ اس سے کچھ امید بندھی تھی کہ ارباب اقتدار کا قبلہ درست کرنے کے لئے افرادی قوت عالم اسلام کو یہ ادارہ مہیا کرے گا۔ لیکن "اڑنے نہ پائے تھے کہ پر جل اٹھے" ابھی پہلی کھیپ بھی تیار نہ ہوئی تھی کہ بے دینوں کی سازشیں شروع ہو گئیں۔ اس اسلامی یونیورسٹی کے علاوہ پاک و ہند کی دیگر نیم مذہبی و سیکولر یونیورسٹیاں بھی زد میں آ گئیں۔ علی گڑھ یونیورسٹی غیر معینہ مدت کے لئے بند کر دی گئی ہے۔ کراچی میں جامعہ اسلامیہ کو سربمہر کر دیا گیا۔ جناب وزیر داخلہ پاکستان کو اپنے مافی الضمیر کا اظہار "پاکستان میں دہشت گردی" کے عنوان کے تحت "بی بی سی" کو انٹرویو دے کر یوں کرنا پڑا کہ "دارالحکومت اسلام آباد میں واقع اسلامی یونیورسٹی دہشت گردی کی آماجگاہ ہے' میرے بس میں ہو تو میں اسے بند کر دوں"۔

دنیا جانتی ہے کہ اسلام امن و آشتی کا دین ہے۔ وہ کسی بھی حال میں تشدد اور دہشت گردی کو جائز قرار نہیں دیتا بلکہ دہشت گردی کو قابل مذمت قرار دیتا ہے۔ مصری سفارت خانہ اسلام آباد' امریکہ کا ٹریڈ سنٹر' بوسنگ ۷۰۷ یا سی ون تھرٹی' مسجد اقصیٰ یا ایٹمی بجلی گھر (عراق)' بابری مسجد ہو یا مسئلہ بوسنیا یا کشمیر۔ انسان کے اندر آخر ضمیر نام کی شے بھی تو موجود ہے' جس کے سامنے وہ جواب دہ ہے۔ دنیا میں پاور پالیٹکس

(باقی صفحہ ۷ پر)

مکرمی جناب ڈاکٹر صاحب قبلہ!

السلام علیکم! آپ سے ذاتی نیاز مندی تو ہے ہی، ایک ذہنی نیاز مندی بھی ہے کہ آپ حق بات کہنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ ابھی میں نے "سقوط ڈھاکہ" کے عنوان سے آپ کے مضمون کی دونوں قسطیں روزنامہ "پاکستان" میں پڑھی ہیں۔ اس سلسلہ میں میرے ذہن میں کچھ سوالات پیدا ہوئے ہیں جن میں بہت سے گھسے پٹے سوالات بھی ہیں۔ اس موضوع پر اگر آپ کی کوئی کتاب ہو یا دیگر کسی دانشور نے اس پر خامہ فرسائی کی ہو تو آپ اس سلسلہ میں براہ کرام میری راہنمائی فرمائیں۔

آپ نے سقوط ڈھاکہ کا پہلا سبب جغرافیائی قرار دیا ہے۔ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ قرارداد لاہور میں ترمیم بنگالیوں کی اس خواہش کا اظہار ہو گا کہ وہ ہندوستان کی شمال مغربی مسلم ریاست کا حصہ بننا چاہتے ہیں لیکن ہم نے شروع سے ہی ان کے ساتھ ذلت آمیز سلوک کیوں روا رکھا؟ متحدہ ہندوستان کی عبوری حکومت میں مسلم لیگ کے پانچ ارکان تھے۔ مجوزہ پاکستان کی چھپن فیصد آبادی کی نمائندگی ہم نے ایک اچھوت (جوگندر ناتھ منڈل) سے کرائی۔ کیا آئندہ کے پاکستان میں پورے بنگال میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو اپنے عوام کی نمائندگی کا اہل تھا؟ اس کے برعکس مجوزہ پاکستان کے باہر سے دو نمائندے (لیاقت علی خان اور چند ریگر) نامزد کئے گئے۔

مجھے صرف مذہب کی بنیاد پر قومیت کا تصور سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر یہ حقیقت ہے تو پھر پاکستان میں کئی قوموں کا وجود تسلیم کرنا پڑے گا اور ہندوستان میں بسنے والے مسلمان ہماری قوم کا حصہ شمار ہوں گے۔ اگر خدانخواستہ ہندوستان کے ساتھ ہماری جنگ ہو اور اسی اثناء میں آپ کے مطابق پاکستان میں نظام خلافت قائم ہو چکا ہو تو ہندوستان کے مسلمانوں کا طرز عمل کیا ہونا چاہئے۔ وہ نظام خلافت کے خلاف اپنی غیر مسلم حکومت کی حمایت کریں گے یا نظام خلافت کی حمایت میں اپنے ملک سے غداری کریں گے؟

پھر اگر پاکستان کی تحریک کے پیچھے لا الہ الا اللہ کا نعرہ تھا تو تمام دینی جماعتوں نے یا ان کی اکثریت نے تحریک پاکستان کی مخالفت کیوں کی؟ کیا قائد اعظم مولانا مودودی، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حسین احمد مدنی رحمتہ اللہ علیہم کی نسبت اسلام کے تصور قومیت کو زیادہ بہتر اور صحیح سمجھ سکتے تھے۔ قائد اعظم کے دینی علم و بصیرت کے بارے میں آپ بہرحال بہتر جانتے ہیں۔ مزید یہ کہ ہندوستان کی تقسیم کا عمل مذہبی بنیادوں پر تھا تو پھر تقسیم کی صورت میں مسلمانوں اور ہندوؤں کی تعداد کے مطابق ہونا چاہئے تھی اور تبادلہ آبادی کو تقسیم ہندوستان کے پلان کا ایک حصہ ہونا چاہئے تھا۔ یعنی ہندوستان کو اس طرح تقسیم کیا جاتا کہ پاکستان کے حصہ میں آئی ہوئی سرزمین ہندوستان کی جملہ مسلمان آبادی کے لئے کافی ہوتی۔ لیکن فی الحقیقت ایسے نہیں ہوا۔ یہ کوئی نظریاتی تقسیم نہ تھی بلکہ آئینی حل تھا اس وقت کے ہندوستان کے مسائل کا۔ کانگریس اور مسلم لیگ ہندوستان کی تقسیم کے جس پلان پر متفق ہوئے تھے وہ تمام تر Indian Indpendence Act, ۱۹۴۷ء میں مندرج ہے جو مسودۂ قانون ہندوستان کی آزادی کے سلسلہ میں برطانوی پارلیمنٹ نے پاس کیا تھا۔ اس قانون کی رو سے ہندوستان (تقسیم شدہ) کے علاقہ سے منتخب ہونے والے اراکین اسمبلی ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی کے اراکین شمار ہوتے اور پاکستان کے علاقہ سے منتخب ہونے والے پاکستان کی آئین ساز اسمبلی کے اراکین گنے جاتے۔ میں نے بہت سی کتابیں دیکھی ہیں لیکن مجھے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ لیاقت علی خان صاحب اور قائد اعظمؒ نے بھی انتخاب لڑا تھا یا نہیں۔ تاہم ان کا حلقہ انتخاب پاکستان نہ تھا۔ تقسیم کے پلان کے مطابق تحریک پاکستان کے یہ دونوں سپوت پاکستان کی قومیت نہ رکھتے تھے۔ حال ہی میں نے روزنامہ The Frontier Post میں کسی صاحب کا ایڈیٹر کے نام خط پڑھا جو راجہ صاحب محمود آباد کی خدمات سے متعلق تھا۔ اس میں انہوں نے لکھا تھا کہ راجہ صاحب محمود آباد اور قائد اعظمؒ میں اختلاف اس امر پر ہوا کہ راجہ صاحب کا موقف تھا کہ قائد اعظم کو ہندوستان چھوڑ کر نہیں جانا چاہئے۔

پھر پاکستان بننے کے بعد وہ تمام لیڈر لوگ یہاں پہنچ گئے جنہیں خود اپنی تسلیم شدہ تقسیم پلان کے مطابق ہندوستان میں رہنا چاہئے تھا۔ بیوروکریسی تمام تر ادھر کی تھی اور انہوں نے متروکہ جائیداد کے بارے میں جو قوانین Enact کرائے اور اس کے تحت الاٹمنٹ کی جو سکیمیں بنیں۔ ان کے تحت پنجاب بار سے آنے والے لوگوں نے محض بیان حلفی دے کر ہزاروں ایکڑ اراضیات اپنے نام الاٹ کرالیں۔ مارشل لاء (۱۹۵۸ء والا) نافذ ہوا تو ان کلیمز (claims) کی پڑتال شروع ہوئی اور پھر کس طرح جھوٹے کلیمز پر الاٹ شدہ اراضیات مبینہ claimants کو ٹکوں کے بھاؤ فروخت ہوئیں۔ یہ پوری داستان مارشل لاء ریگولیشنز نمبر ۹۴۔۸۹۔۹۱ میں مذکور ہے۔ جو سال ۱۹۵۹ء اور سال ۱۹۶۱ء میں نافذ ہوئے۔ ان regulations کے تحت جو scheme بنائی گئیں ان کے مطابق حاصل شدہ اراضیات ان الاٹیان نے مقامی لوگوں کو اونے پونے فروخت کیں اور رقم لے کر کراچی پہنچ گئے۔ اس وقت بھی غالباً تین سے چار ہزار کی تعداد میں عدالت عالیہ اور عدالت عظمیٰ میں وہ writ petition زیر تجویز ہیں جو ان الاٹمنٹوں کے متعلق ہیں۔ ایک بات تعجب خیز ہے کہ پنجاب کے پرے سے آنے والے لوگوں کے نوے فیصد claims عورتوں کے نام کے تھے!!

— پھر پاکستان بننے کے بعد پنجاب میں نواب ممدوٹ اور دولتانہ کی کشمکش سے آپ آگاہ ہیں۔ سندھ میں PARODA کا قانون خود قائد اعظم کی زندگی میں نافذ ہوا اور کھوڑو اس کے تحت مجرم قرار پائے۔ سرحد میں خان عبدالقیوم خان نے پاکستان بننے کے ساتھ ہی جو ڈرامے کئے وہ ہماری تاریخ کا دلچسپ حصہ ہیں۔

کیا ان سب لوگوں نے پاکستان نظام خلافت کے قیام کے لئے بنایا تھا؟ خدارا تاریخی واقعات سے وہی نتائج اخذ فرمائیں جو معروضی ہوں۔ اپنی نیک خواہشات اور سلامتی طبع کے مطابق نتائج نے ہی ہمیں کہیں کا نہیں رکھا۔ مجھے تحریک پاکستان کے رہنماؤں سے کیا گلہ ہو سکتا ہے؟ البتہ جس مقصد کے لئے پاکستان بنایا گیا تھا وہ پورا ہو گیا ہے۔ عوامی نمائندے ملازمتوں کا کوٹا طلب کر رہے ہیں تاکہ ملازمتیں فروخت کر سکیں۔ عدالتیں انصاف کرنے کی بجائے ناانصافی ریڑھی لگا کر فروخت کر رہی ہیں۔ پورے ملک میں آپ کہیں سے ایک کلوگرام دودھ حاصل نہیں کر سکتے --- یہ شام غریباں میں نے پڑھنا شروع کر دی تو ختم نہ ہو گی۔

سمع خراشی کی معافی چاہتا ہوں۔ استدعا صرف یہ ہے کہ پاکستان کے محرکات کا جائزہ واقعات کی روشنی میں لیں۔ والسلام

عظیم اشرف
۱۳ - اے سیٹلائٹ ٹاؤن
رحیم یار خان

بقیہ : پس منظر

* ہالوکاسٹ' نیز دوسری جنگ عظیم کے بارے میں حقائق کا پتہ چلانے کے لئے مزید معلومات کہاں سے حاصل کی جاسکتی ہیں؟

* ہمارے ہاں ہر طرح کی تاریخی کتب' آڈیو' ویڈیو کیسٹس دستیاب ہیں۔OO

بقیہ : توجہ طلب

آگہی حاصل کرنے کو کہا۔ بیان میں حکومت پر زور دیا گیا کہ وہ ایسے اقدامات کرے جس سے اعلیٰ اخلاقی اوصاف لوگوں میں پیدا ہوں اور مسلمان دانشوروں سے کہا کہ ان تمام سرگرمیوں میں تعاون کیا جائے جو اس بیماری کو پھیلنے سے روکنے میں مدد ہوں۔ روزنامہ "KOMPAS" نے MUI کے چیئرمین حسن بصری کے حوالے سے کہا کہ کنڈوم کی مفت تقسیم کے نتیجے میں یہ احساس زور پکڑے گا کہ انڈونیشیا میں زنا قانوناً جائز ہو گیا ہے۔ ۲۹ دسمبر کو وزیر برائے آبادی نے مسلم خطباء پر زور دیا کہ وہ خطابات جمعہ میں آئندہ تین ماہ کے دوران ایڈز کو موضوع بنائیں۔

اندیشہ یہ ہے کہ ملک کے ممتاز علماء نے اگر اس قسم کی سرگرمیوں کے سدباب کی پیش بندی نہ کی تو اس سے ہمارے ان حکمرانوں کو شہ ملے گی جو مغرب کی کاسہ لیسی میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔ اس موقع پر یہ یاد دلانا بے جا نہ ہوگا کہ قاہرہ کانفرنس کی صدارت پاکستان ہی کی ایک لیڈی ڈاکٹر کے حصہ میں آئی تھی اور شاید اسی قسم کی "حسن کارکردگی" کے اعتراف کے طور پر یہ پہلے سے اقوام متحدہ میں ایک اہم عہدے پر فائز ہیں۔

بقیہ : مکتوب کراچی

بچے شریک تھے۔ وہ بچے جنہوں نے حفظ مکمل کیا تھا ان کے اعزاز میں یہ تقریب منعقد کی گئی تھی۔ حفاظ بچوں کی تعداد ۵۲۵ تھی۔ ان بچوں نے اپنے سینے میں قرآن محفوظ کیا تھا۔ یہ تو صرف ایک مدرسہ کی بات ہے ایسے بے شمار مدرسے ملک میں پھیلے ہوئے بنیاد پرستی کی کاشت کر رہے ہیں۔

مغربی آقاؤں کو خوش کرنے والوں کو سوچنا چاہئے کہ وہ کس کس کے سینے سے قرآن نکال سکیں گے۔ قرآن اپنے اندر خود تقوت تسخیر رکھتا ہے۔ اس کی دعوت پھیلے گی' ان شاء اللہ

سفر وسیلہ ظفر!

امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت' ڈاکٹر اسرار احمد بروز منگل' ۲۳ / جنوری صبح ۶ بجے لاہور سے نیویارک روانہ ہو گئے جہاں ان شاء اللہ حال ہی میں تعمیر ہونے والے مسلم سنٹر آف نیویارک میں نماز تراویح کے دوران انگریزی میں قرآن مجید کا ترجمہ ریکارڈ کرائیں گے۔ مدیر' میثاق وندائے خلافت' حافظ عاکف سعید بھی ہمراہ ہیں اور وہاں نماز تراویح پڑھائیں گے۔

اس دوران پروگرام کے بارے میں معلومات کے لئے نیویارک میں درج ذیل فون نمبروں پر رابطہ کیا جاسکتا ہے۔ مسلم سنٹر آف نیویارک فون : 2642-445(718)

یا

تنویر عظمت (نیو جرسی) فون نمبر : 212-247-6913

فیکس نمبر 212-247-5859

COMING SOON

Quarterly Journal of the Qur'an Academy

Patron: Dr. Israr Ahmad

The Qur'anic Horizons

Markazi Anjuman Khuddam-ul-Qur'an, Lahore, is pleased to announce its forthcoming venture -- a regular periodical in English language.

The journal would include papers and articles written with the following aims and objectives:

- to effectively criticize and refute the un-Islamic features in the dominant Western paradigm;
- to reconstruct Islamic religious thought by presenting various Qur'anic themes in contemporary idiom;
- to find Islamic solutions to the problems afflicting the humanity in general and the Muslim Ummah in particular;
- to develop Qur'anic scholarship in sociology, law, philosophy, psychology, economics, and political science; and
- to develop detailed and practicable blueprints for the future Islamic state.

To receive a free introductory issue, please write to:
The Qur'anic Horizons
36-K, Model Town, Lahore-54700

کیا ہمارے تمام مسائل کا حاصل مغرب کی تقلید ہے؟

اللہ کا دیا ہوا نظام ہی عدل و قسط پر مبنی ہو سکتا ہے

موجودہ پارلیمانی نظام کے خلاف لب کشائی کو بغاوت قرار دیا جانا باعث تعجب ہے!

اسلام صرف حدود و تعزیرات ہی کا نام نہیں، یہ مکمل سماجی، معاشی اور سیاسی نظام ہے

میم سین، کراچی

قوم کو کوئی مسئلہ درپیش ہو اس کے حل کے لئے مغرب کی طرف دیکھنا ہمارا قومی مزاج بن چکا ہے۔ پارلیمانی نظام کی ناکامی کا رونا تو عرصہ دراز سے وطن عزیز کے دردمند افراد روتے رہے ہیں لیکن چونکہ اقتدار کی راہداری میں ان میں سے اکثر کا گزر نہیں تھا لہٰذا یا تو ان کی باتوں کو صاحبان اقتدار نے در خور اعتناء ہی نہ جانا یا چٹکیوں میں اڑا دیا جاتا لیکن جب یہی بات ارشاد احمد حقانی جیسے صحافی نے کہی جن کی ممدوح جماعت ان دنوں برسر اقتدار ہے اور جس کی نااہلیوں کا ثمر کراچی کی روز افزوں بگڑتی ہوئی صورتحال، سیاست دانوں کی آپس کی محاذ آرائی اور دینی عناصر پر مصائب کی صورت میں قوم بھگت رہی ہے، تو ایوان اقتدار میں ایک بھونچال آگیا اور ہر معاملے میں ایک دوسرے سے اختلاف رکھنے والی حکومت اور اپوزیشن کے ارکان بھی نیم زبان ہو کر نظام کی تبدیلی کی بات کرنے والوں پر گرجنے اور برسنے لگے حتیٰ کہ نظام کی تبدیلی کی بات کرنا بھی بغاوت قرار دیا گیا۔

اس صورتحال میں ارشاد احمد حقانی کو بھی اپنے موقف کی حمایت میں زور قلم دکھانا پڑا۔ انہوں نے اپنے ایک حالیہ مضمون میں نظام کی تبدیلی کی صورت میں لوگ کس نظام کے بارے میں سوچتے ہیں، اس پر مفصل گفتگو کی ہے۔ اس مضمون میں صدارتی نظام اور فرانس میں جاری نظام کے طرز پر کسی نظام کی گفتگو تو ہے لیکن اگر انہیں یاد نہیں رہا تو وہ اسلام کا نظام عدل اجتماعی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ صرف ہم وطنوں کو بلکہ دنیا کی تمام اقوام کو جو مسئلہ درپیش ہے وہ انصاف کا حصول ہے۔ دنیا میں جتنے بھی نظام ہائے زندگی کو رائج کیا گیا وہ تمام کے تمام انسانوں کے وضع کردہ تھے اور کوئی انسان بھی اس پوزیشن میں کبھی نہیں رہا ہے کہ وہ ایسا کوئی نظام وضع کر سکے جس میں عالم انسانیت کے مختلف اقوام اور طبقات کو یکساں عدل کی فراہمی کی ضمانت دی گئی ہو۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خواہ ملوکیت کا نظام ہو، خواہ سوشلزم پر مبنی نظام ہو یا سرمایہ دارانہ جمہوریت، یہ تمام نظام ہائے زندگی انسانوں کو عدل فراہم کرنے میں یکساں طور پر ناکام ہوئے ہیں۔ یہ صرف اسلام کا نظام عدل اجتماعی ہی ہے جس کی زندگی گو مختصر ہی رہی ہے اور اس میں بھی اس نظام میں کسی خرابی کی بجائے اس کے چلانے والوں کی نااہلی ہی ذمہ دار رہی ہے لیکن یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ اتنا روشن اور تابناک دور آج تک عالم انسانیت کے حصہ میں نہیں آیا۔ اسلام کا نظام ہی عدل اجتماعی کی ضمانت دے سکتا ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ اس کو وضع کرنے والی ہستی وہ ہے جس نے تمام عالم اور اس کی مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ وہی اس کی ضروریات کو نہ سمجھے جس نے اسے پیدا کیا ہے۔ ماں اپنی اولاد کا درد جس طرح محسوس کر سکتی ہے کوئی اور رشتہ دار اس کے درد کو محسوس کرے، یہ ممکن ہی نہیں۔ اور ماں کی محبت خالق کائنات کی محبت کا غالباً ایک فیصد بھی نہیں بنتا اور یہ بھی صرف سمجھانے والی بات ہے ورنہ "چہ نسبت خاک را با عالم پاک"۔ انتہائی افسوس کی بات یہ ہے کہ اسلام کے نظام عدل کا شعور عوام الناس کو تو حاصل ہی نہیں، جنہیں کچھ بھی شعور حاصل ہے وہ اس کا ذکر کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔ حالانکہ اس میں تو اختلاف ہو سکتا ہے کہ یہ نظام کس طریقے سے نافذ کیا جائے لیکن اس نظام کا قیام تو وطن عزیز کے مقصد میں شامل ہے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ ارشاد احمد حقانی جیسے اہل علم کی تربیت اس جماعت کے ذریعہ ہوئی ہے جو آج ایک بین الاقوامی اسلامی تحریک کا دعویٰ رکھتی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مذہبی جماعتوں کے تربیت یافتہ لوگ اسلام کے نظام سے اتنے غافل ہو چکے ہیں کہ نظام کی تبدیلی کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے متوازی نظام کے طور پر اس کا ذکر کرنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ اگر پاکستان میں اسلام کی جانب کوئی قابل ذکر پیش رفت نہ ہو سکی تو ان بے چارے عوام کا کیا قصور ہے جن کے سامنے اسلامی نظام کے حوالے سے عدل کی ضمانت کی بات کی ہی نہیں کی جاتی۔ ان کے سامنے تو شریعت کے چند تعزیری قوانین ہی کا تذکرہ آتا ہے جن کے بارے میں خود مسلمان حکمرانوں کا رویہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اس پر یقین رکھتے ہیں کہ

"بوئے خوں آتی ہے اسلام کے افسانوں سے"

حقائق و واقعات
پر مشتمل ڈاکٹر اسرار احمد کی اہم تالیف
تاریخ جماعتِ اسلامی
کا ایک گمشدہ باب
شائع ہو گئی ہے۔ بڑے سائز کے ۳۲۸ صفحات
سفید کاغذ — مضبوط لیمینیٹڈ جلد، قیمت -/۸۰
ملنے کا پتہ
تنظیم اسلامی
مرکزی دفتر — گڑھی شاہو، لاہور

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

مکتوبِ کراچی

قزاق اجل کا لوٹے ہے' دن رات بجا کر نقارہ !

دینی عناصر کو دہشت گرد قرار دینا' امریکہ کے اشارے پر ہے !

دستور و قانون سمیت کوئی بھی اس ننگی جارحیت کو روکنے والا نہیں رہا؟

کراچی میں دہشت گردی کے نام پر نوجوانوں کا قتل دراصل عدل و انصاف کا قتل ہے!

نجیب صدیقی

"قزاق اجل کا لوٹے ہیں' دن رات بجے ہے نقارہ" میاں نظیر اکبر آبادی کی ایک مشہور نظم کا یہ ایک مصرعہ ہے۔ میاں نظیر کے ذہن میں تو وہ آفاقی تصور ہو گا جو اس کائنات میں جاری و ساری ہے۔ طبعی موت کا ایک تسلسل ہے جسے دیکھ کر جناب نظیر اکبر آبادی نے یہ نظم لکھی تھی۔ اس مصرعہ کا بھرپور اطلاق آج کراچی پر ہو رہا ہے۔ قزاق اجل نے ڈیرے لگا دیئے ہیں اور چن چن کر ان نوجوانوں کو مارا جا رہا ہے جو زندگی کے نصف النہار تک ابھی پہنچے ہیں یا پہنچنے والے ہیں۔ نقارہ سے آواز "دہشت گرد' دہشت گرد" کی نکل رہی ہے۔ حکومت کی پوری مشینری قزاق اجل کا پارٹ ادا کر رہی ہے۔ اب اس بات میں کلام نہیں رہا کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے انتقام کے سوا کچھ نہیں۔ دستور' قانون' عدل' انسانیت اور شرافت کی پامالی کھلی آنکھوں سے دیکھی جا سکتی ہے۔ انسانیت کی چیخ حکومت کے ایوانوں سے ٹکرا کر واپس آ جاتی ہے۔ دستور و قانون پابہ جولاں ہے۔ اس ننگی جارحیت کو کوئی روکنے والا نہیں۔ کراچی کے مسائل پر اہل دانش نے جتنی بھی تجویزیں دی ہیں اگر وہ جمع کی جائیں تو بلامبالغہ ایک ٹرک بھرا جا سکتا ہے۔ کسی بھی تجویز کو آخر پذیرائی کیوں حاصل نہیں ہوئی۔ یہ کیسا جمہوری ملک ہے جس میں جمہور کو شکنجے میں کس دیا گیا ہے اور ان کی ایک نہیں سنی جاتی۔

مہنگائی کا عذاب اس پر مستزاد ہے۔ مہنگائی بھی عوام کی بہبود کے لئے لائی گئی ہے' بے روزگاری کا عفریت الگ منہ پھاڑے کھڑا ہے۔ چوریوں اور ڈکیتیوں کی بھرمار ہے۔ سڑک پر چلنے والا کوئی شخص محفوظ نہیں ہے۔ اسلحہ کے زور پر اس کی جیب خالی کرا لی جاتی ہے۔ عورتوں کے زیور اتروا لئے جاتے ہیں۔ گھر تو پہلے بھی محفوظ نہ تھے اب سڑکیں بھی محفوظ نہیں۔ یہی حال رہا تو لوگ اکٹھے ہو کر سڑکوں پر چلا کریں گے۔

دہشت گردی کے نئے ماڈل تیار کئے گئے ہیں' کہیں اختلاف رائے دہشت گردی ہے' کہیں حقوق مانگنا دہشت گردی ہے۔ کچھ ماڈل امریکہ نے تیار کئے ہیں جسے وہ بنیاد پرست دہشت گرد کہتا ہے۔

امریکہ کے اشارے پر ہمارے ملک کے حکمرانوں نے دینی اداروں کے خلاف کاروائی شروع کر دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے لائق فائق وزیر داخلہ نے فرمایا تھا کہ میرا بس چلے تو ان دینی اداروں کو بند کر دوں تاکہ یہاں سے دہشت گرد پیدا نہ ہوں۔ ان دینی اداروں نے بڑے بڑے دہشت گرد پیدا کئے ہیں۔ ماضی میں علماء کی ایک بڑی تعداد اس اصول کے تحت دہشت گرد نظر آئے گی۔ دہشت گردوں کا یہ قافلہ جسے ہم سنہری زنجیر سے تعبیر کرتے ہیں یہ روشنی کے مینار ہیں جن سے قیامت تک لوگ استفادہ کرتے رہیں گے۔ ان دہشت گردوں سے ہی وزیر داخلہ نے قرآن مجید پڑھا ہو گا۔ دین کا تھوڑا بہت علم انہیں سے ملا ہو گا اور ان کی جنازہ کی نماز بھی کوئی دہشت گرد ہی پڑھائے گا۔

اسلام اگر دہشت گردی سکھاتا ہے تو یہ ملک بھی اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا۔ اس کی "بنا" ہی بنیاد پرستی پر ہے جسے ہمارے مغربی آقا پسند نہیں کرتے۔ وہ ہر قیمت پر اسے "پتسما" پہنانا چاہتے ہیں۔ موجودہ اقتدار کو وہ اسی لئے "ٹیک" دیئے ہوئے ہیں کہ وہ ان کے مقاصد پورے کرنے میں شاہ سے زیادہ شاہ کا مصاحب بنا ہوا ہے۔ ذرائع ابلاغ پر ایسے لوگ بٹھا دیئے گئے ہیں جو مغربی "اقدار" کی پوری بوتل ایک دم سے پلا دینا چاہتے ہیں تاکہ قوم اپنا کلچر چھوڑ کر مغرب کی تھاپ پر تھرکنے لگے۔ اسلامی کلچر کو تباہ کرنے کے لئے وہ اپنے ملک میں بیٹھے ہوئے ڈوری ہلا رہے ہیں' جن لوگوں نے وہ ڈوری اپنے گلے میں باندھ رکھی ہے ان کی بہت تھوڑی تعداد ہے۔ قوم بھی انہیں پہچانتی ہے اب تو وہ بالکل عریاں ہو چکے ہیں۔ قوم ان سے بیزار ہے مگر بے بس ہے۔ بنیاد پرستی اور دہشت گردی کو ایک ساتھ نتھی کر دیا گیا ہے۔

ایک بنیاد پرستی کی تقریب میں شرکت کا موقع ملا۔ اس تقریب میں تقریباً دس ہزار مرد' عورتیں اور

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

> "ہمارے لائق فائق وزیر داخلہ نے فرمایا تھا کہ میرا بس چلے تو ان دینی اداروں کو بند کر دوں تاکہ یہاں سے دہشت گرد پیدا نہ ہوں۔ ان دینی اداروں نے بڑے بڑے دہشت گرد پیدا کئے ہیں۔ ماضی میں علماء کی ایک بڑی تعداد اس اصول کے تحت دہشت گرد نظر آئے گی"